نہ قحطِ آب کا ڈر تھا نہ سیلِ آب کا خوف
رتیں ہی ایسی تھیں بادل ہی یوں برستے تھے
بس اتنا یاد ہے کچھ لوگ بک رہے تھے ظفر
خبر نہیں کہ وہ مہنگے یا کہ سستے تھے

آج کا دن بھی باقی دنوں سے ہرگز مختلف نہ تھا‘ اسی ڈھب سے رات گزری تھی اور ہمیشہ کی طرح اسی انداز میں اب صبح ہونے کو تھی۔ چار دیواری کے اندر رہائش پذیر لوگوں کی خواہشات کل بھی وہی تھیں اور تمنائیں آج بھی کچھ مختلف نہ تھیں۔ سورج کی نرم اور تروتازہ کرنوں نے بڑے مدھم طریقے سے دھرتی کے کشادہ سینے پر اپنا لمس ثبت کیا اور پھر ڈھیرے ڈھیرے رات بھر کی جدائی کا احوال کہنے لگیں۔

ناجی نے بھی حسب معمول جاگنے کے بعد آڑے ترچھے سوئے ہوئے نوشے اور طاقو کو اپنی کراری آواز میں پکارنا شروع کیا۔ فیکا بھی جاگ تو گیا تھا مگر یوں ہی دیوار کی طرف منہ کیے صحن میں بان کی چارپائی پر لیٹے ہوئے شاید ان بدرنگ چھوٹی بڑی اینٹوں کو گننے میں مصروف تھا جو محض دو گھروں کو علیحدہ کرنے کی نشان دہی کیا کرتی تھیں۔

نوشے اور طاقو کے کسمسا کر پھر سے کروٹ لے لینے کے بعد ناجی نے ایک مرتبہ پھر ان دونوں کو جھنجوڑا مگر اسی دوران چپ چاپ خاموش نظروں سے دیوار کو تکتے فیکے کو دیکھتے ہی اسے سارے جسم کا بوجھ دل پر پڑتا محسوس ہوا۔

”تجھے کتنی مرتبہ کہا ہے فیکے یوں چپ ہو کر نہ لیٹا کرتو گھر میں ہوتے ہوئے بھی خاموش ہو تو میرا جی بڑا گھبراتا ہے۔“

اس کی ٹانگوں کو پرے ہٹاتے وہ خود ادوائن پر ہی ٹک گئی تھی جہاں پوری چارپائی کے برعکس پھٹی ہوئی دری کو اس خیال سے ڈالا گیا تھا کہ چبھن سے بچا جاسکے اور یہ خاص انتظام بھی اس لیے تھا کیونکہ وہ ناجی کا مجازی خدا تھا اور جس سے وہ اسی طرح محبت کرتی تھی جس طرح کوئی دیہاڑی دار اپنے سارے دن کی کمائی سے کرتا ہو۔ اس کے مخاطب کرنے پر فیکے نے محض کروٹ بدلی اور رخ اس کی طرف کر کے بس اسے دیکھے ہی گیا۔ گہرے سانولی رنگت‘ فربہی کی طرف مائل جسم‘ پتلی سی چپٹا‘ گلابی سے سرمئی ہوتے ہونٹ‘ بڑی بڑی سفید بے رونق آنکھیں......

یہ تھی ناجی جس کے لیے آج سے چند سال پہلے فیکے نے قبیلے کے سب لوگوں سے ٹکر لی تھی اور آخر ریلوے اسٹیشن پر پہلی ملاقات کے بعد اس کے دل کو سکون تب ملا جب وہ اسے کالج سے سرخ چوڑیاں پہنائے ہاتھوں اور پاؤں کے ناخنوں پر تیز سرخ رنگ کی نیل پالش اور ہونٹوں پر گہرے نارنجی رنگ کی لپ اسٹک لگائے دلہن کے روپ میں اپنی بستی میں لے آیا۔ نیل پالش کے ننھے ننھے نشانات کے اترنے تک اس نے خود کو دلہن سمجھا مگر دس روپے کی کچی نیل پالش بھلا کتنے دنوں تک اس کے دلہناپے کو برقرار رکھتی سو جیسے ہی نیل پالش چھلکے کی مانند اتری وہ بھی فیکے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی نظر آئی۔ نہ تو اس نے اپنے وجود کے اندر سانس لیتی ننھی سی جان کی پروا کی اور نہ ہی شادی کے ابتدائی مہینوں کی خوب صورتی کی۔

یوں بھی یہ چونچلے وہیں پورے ہوسکتے ہیں جہاں رزق روز فلک پر نکلتے سورج کی طرح لازمی ملنا ہو‘ اس کے برعکس جہاں مسئلہ دیہاڑی کا ہو وہاں شادی کے روز بھی دیہاڑی ہاتھ نہ آنے کا غم لاحق رہتا ہے۔ سو ایسی صورت میں اس نے فیکے کے کندھوں کا بوجھ بٹانے کی خاطر وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً میدان عمل میں اترنے کا ارادہ کیا تھا اور دن بھر



یوں اس کے ساتھ پھرکی کی طرح لگی رہتی کہ پہلے فیکے کے مخالف لوگ اب اس کے اس اقدام کو سراہتے۔

”خیر تو ہے ناں‘ اٹھنا نہیں ہے...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ وہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی کیونکہ عموماً اس وقت وہ ناشتے کے لیے دودھ وغیرہ کا بندوبست کرنے گیا ہوتا آج اسے یوں کسل مندی سے لیٹے دیکھا تو اس کا گھبرانا لازمی تھا۔

”ارے میں تو بس یونہی لیٹ گیا تھا‘ تو کیوں پریشان ہو رہی ہے؟“ ناجی کی تشویش دیکھتے ہوئے اب وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

”کل بھی اس وقت حفیظ کی دکان بند تھی اس لیے میں نے سوچا تھوڑی دیر رک جاؤں‘ آج بھی دیکھو دودھ ملتا ہے کہ نہیں۔“ فیکے نے اٹھ کر سلیپرز پہنے۔

”شادی اس کی ہوئی ہے تو ہماری بلا سے۔ از کم گاہکوں کو وقت پر سودا تو دے پھر کرلے جا کر کمرہ بند۔“ ناجی کل بھی گھر سے بغیر ناشتے کے نکلنے پر بڑی بدمزہ ہوئی تھی جبھی ترخ کر بولی۔

”ہاں بھئی قسمت والا ہے۔“ فیکے نے آگے بڑھتے ہوئے ناجی پر جھکتے ہوئے کہا تو وہ یوں اچانک اس کا موڈ بدلنے پر حیران آنکھوں سے مسکراتے ہوئے یوں پیچھے ہٹی کہ اس کے پاؤں تو زمین کو چھو رہے تھے مگر پشت ادوائن سے جا لگی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی پیش قدمی کرتا ناجی نے ابرو اٹھا کر آنکھوں کو دائیں سمت گھماتے ہوئے دروازے کی چوکھٹ کی سمت دیکھا جہاں جانی آنکھیں ملنا بھول کر ان ہی دونوں کو دیکھ رہا تھا جب کہ پینو بھی ٹھنڈے چولہے کے پاس چائے کے انتظار میں بیٹھی کن اکھیوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ جس کا ذہن گوکہ کچا ضرور تھا مگر اس پر بننے والے خاکے بڑے واضح اور ٹھوس تھے۔ نظریں ملنے پر جانی نے آنکھوں کو آخری حد تک پھیلاتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار لازمی سمجھا تھا۔

”لے آ گئی فوج بیرکوں سے باہر‘ ہر وقت سر پر کھڑا انگرائی کرتا رہتا ہے۔ ہونہہ...... کانسٹیبل نہ ہو تو......“ جانی کی آمد پر فیکے کے موڈ کا یوں ستیاناس ہوا کہ دانتوں تلے ریت آتی محسوس ہوئی جبھی بکتا جھکتا گھر سے نکل گیا۔

فیکے کے موڈ کو دیکھ کر پینو نے خوامخواہ سر جھکا لیا جبکہ ناجی نے بغیر کوئی نوٹس لیے ایک بار پھر نوشے اور طاقو کو زور سے جھنجوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے کیونکہ جانتے تھے کہ اس کے بعد ناجی کی زبان نہیں چپل چلے گی۔

”چل ناں‘ اب جا بھی۔ کھڑا کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے۔“ ناجی نے جانی کو غسل خانے کی طرف دھکیلا کہ اس کے بعد پھر نوشے اور طاقو کی باری تھی مگر جانی نے جھٹکے سے اپنا کندھا چھڑایا اور گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا جس کے دروازے کے نام پر ناجی کا دوپٹہ ہوا سے یہاں وہاں لہراتا اس بات کا اعلان کررہا تھا کہ غسل خانہ خالی ہے۔ جونہی کوئی اندر جاتا دوپٹے کے زمین تک آتے پلو پر اینٹ رکھ کر اسے اڑنے سے روکنا اور یوں دروازہ بند ہوجایا کرتا۔

یوں بھی جانی اب کوئی بچہ نہ تھا‘ لڑکپن کی دہلیز پار کرنے کے بعد اب جوانی کی چوکھٹ پر پاؤں رکھ رہا تھا ویسے بھی وہ جس ماحول کا حصہ تھا وہاں بچپن کی بہاریں دبے پاؤں کب گزر جاتی ہیں پتا نہیں چلتا۔ کئی بار اس نے سوچا کہ وہ ناجی سے کم از کم پینو کے سامنے فیکے سے بے تکلف ہونے میں احتیاط برتنے کا کہے لیکن یہ سب وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔ کہنے کی نہ تو اسے اجازت تھی نہ ہمت‘ جس کی بنیادی وجہ فیکے کا خوف تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ فیکے اور ناجی کو ایک دوسرے کے یوں قریب دیکھ کر اس کے اندر ہمیشہ کی طرح چڑچڑاہٹ اور بے زاری بڑے دلیرانہ انداز میں اپنے قدم جما چکی تھی۔

فیکا دودھ لے کر آیا تو وہ سب مٹی کے تیل کے چولہے کے اردگرد نیم دائرہ بنائے قہوے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

”یہ لے پکڑ‘ دوسرے محلے سے لایا ہوں۔ حفیظ خود تو عیش کررہا ہے اور ہمیں مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔“ فیکے نے دودھ ناجی کو پکڑایا اور پاپوں کا چھوٹا پیکٹ امید بھری نظروں سے دیکھتے بچوں کو پکڑانے کے بجائے مٹی کے کچے فرش پر پٹخ دیا۔

"فیکے تُو مجھے ایک بات تو بتا کہ غصہ تجھے دوسرے محلے جانے پہ آ رہا ہے یا حفیظ کے عیش کرنے پر۔" نا جی نے دودھ قہوے میں ڈال کر جیسے جلے کے دل پھپھولے ہی پھوڑ ڈالے تھے۔

"بکواس بند کر اپنی...... ہونہہ عیش!" فیکے نے چٹختے لہجے میں کہا اور نظریں ایک دم جانی سے جا ملیں تو اس نے گھبرا کر فوراً سر گھٹنوں میں دے دیا۔

چائے سے فارغ ہو کر جلدی جلدی سب نے اپنے دھندے کے کپڑے پہنے' ٹین کے سیاہ بکس کے ساتھ قطار سے موجود ٹوٹے اور گھسے ہوئے تلوے والے ربر کے سلیپر پہنے تو گویا اپنے اصل میں آ گئے کہ اب دن بھر انہیں اسی حلیے میں رہنا تھا۔ نا جی نے سب سے پہلا سر کے گرد دوپٹہ باندھ کر کندھے سے دوسرا پلو لٹکائے کشکول نما انداز میں گرہ لگائی۔

جانی ایک طرف کھڑا لوشے' طاقو اور پینو اور رانی کو دیکھ رہا تھا جو باپ کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے فوافٹ تیار ہو کر کھڑے تھے جب کہ خود فیکا بغیر قمیص کے بڑی بے پروائی سے صحن کے بیچوں بیچ کھڑا نا جی کی توجہ کا منتظر تھا۔ گڈی ہنوز فرش پر پڑی سو رہی تھی۔

نا جی نے فیکے کو اپنا منتظر پایا تو کمال پھرتی سے دو ٹوٹے ہوئے ازار بند جوڑ کر بنائی جانے والی رسی اس کے بائیں بازو اور پیٹ کے اردگرد گھما کر اسے دائیں طرف گرہ لگائی اور پھر سامنے رکھی قمیص پہنا دی تو وہ ظاہراً ایک بازو سے معذور دکھنے لگا۔

"پینو! جا اب گڈی کو لے آ۔"

نا جی کے کہنے کی دیر تھی پینو تیزی سے فرش پر سوئی ہوئی گڈی کو گود میں اٹھا لائی تو ہاتھ میں دو رس بھی پکڑے ہوئے تھی جو کہ گڈی کا ہی حصہ تھے اور وہ چونکہ روزانہ کے اس عمل کی عادی تھی جبھی نیند میں خلل پڑنے کے باوجود نہ روئی اور نہ ہی کسمسائی۔ مُندی مندی آنکھوں سے محض ان سب کو ایک مرتبہ دیکھا اور دوبارہ سو گئی اور ویسے بھی اس وقت کی نیند تو یوں بھی اس کی من پسند تھی جبھی ساری رات فرش چبھنے کے بعد ماں کی نرم گرم آغوش میسر آتی تو وہ بھوکی ہونے کے باوجود بڑے مزے سے سویا کرتی البتہ تیز دھوپ کی چبھن کے باعث اسے کچھ دیر بعد ہی جاگنا پڑتا تو وہ منہ بسورتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا رس (Rusk) کھانے لگتی۔

نکلنے سے پہلے فیکے نے ایک نظر ان سب کو دیکھا مطمئن ہو کر رنگ برنگے کپڑے کی ٹکڑیوں سے بنی ٹوپی سر پر رکھی اور دائیں ہاتھ سے ریڑھی کو دھکیل کر گھر کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا جبکہ ریڑھی کی بائیں ہتھی پینو کے ہاتھ میں تھی۔ وہ سب نکلنے لگے تو جانی نے بھی اپنا تھیلا کندھے پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کی اس وسیع زمین سے اپنے حصے کا رزق تلاش کرنے کی کوشش میں اپنا حصہ ڈالنے لگا۔

بالکل اسی طرح جیسے شاہین اپنی فضاؤں میں اڑا کرتے ہیں مگر دیکھا جائے تو ان ہی فضاؤں میں ان کے الگ الگ جہاں آباد ہیں۔ عادات و خصائل کے لحاظ سے بھی اور خصوصیات کے لحاظ سے بھی۔ اسی طرح گھر سے تو وہ بھی لوگ نکلے تھے مگر جانی کی نیت حق حلال اور محنت کی کمائی حاصل کرنے کی تھی جبکہ فیکے سمیت گھر کے باقی لوگ روپوں کے عوض دعائیں بیچنے کا کام کیا کرتے تھے۔

❁......❁......❁

عبدالواثق کو دنیا سے گئے آخرکار چالیس روز بھی بیت گئے تھے' زندگی کے کام البتہ ان چالیس دنوں کے بعد بھی نہ بدلے تھے اور اسی رفتار سے جاری وساری تھے کہ یہی تو قانونِ قدرت ہے کہ جن کے بنا ایک پل زندہ رہنے کا تصور محال ہوتا ہے ان کے دنیا سے چلے جانے' کبھی واپس نہ آنے اور نہ ملنے کے یقین کے باوجود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو زمین کی چادر اوڑھا کر کچھ ہی عرصے بعد زندگی کے جھمیلوں میں یوں گرفتار ہو جاتا ہے کہ بے شک دل سے ان کی یاد محو نہ بھی ہو مگر انہیں پڑھ کر بخشنے کا وقت بھی اکثر دنیا داری کی طرف کھینچ لے جاتی ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود خدا کی رحمت بے قرار دلوں کو کچھ ایسی محبت سے تھپکتی ہے کہ چین آ ہی جاتا ہے۔

قرآن شریف بند کر کے جزدان میں رکھنے کے بعد نبیلہ نے کتابِ مقدس کو بوسہ دیا تو پلکیں بند ہونے کے ساتھ ہی کئی آنسو اس میں جذب ہو کر گم ہونے لگے۔ کچھ دیر بے آواز رونے کے بعد آخر نبیلہ نے قرآن کریم رحل پر رکھا اور اپنے مجازی خدا کے لیے ہاتھ اٹھا کر بخشش کی دعا کرنے لگی کہ چند دن پہلے تک وہ عبدالواثق کی بیوی تھی مگر اب بیوہ کہلانے لگی تھی۔

"اے باری تعالیٰ! رحم فرمانا میرے مالک' تمام مسلمانوں پر اور ان سب کے وسیلے میرے سر کے تاج پر جن کا نام اب بھی میرے لیے باعثِ احترام ہے۔ رحم فرمانا مالک! سب مسلمانوں کے وسیلے ان پر بھی جنہوں نے ہمیں زندگی بھر کوئی غم سہنے نہ دیا۔ تیرے دیئے ہوئے رزق سے ہماری تمام ضروریات پوری کرتے رہے' تیری طرف سے عائد کیے گئے تمام فرائض پورے کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اے ربِ کریم! تُو بھی ان پر رحم فرما ان کے اعمال کے حساب سے نہیں اپنی رحمت کے حساب سے' ان کے ساتھ وہ معاملہ کر جو تیری رحمت کے شایانِ شان ہو وہ حساب نہ کر جو ان کے اعمال کی بنیاد پر ہو۔ پروردگار مجھے حوصلہ اور ہمت دے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ان کے بغیر بھی تیرے احکامات کی پابندی کر سکوں۔" دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے آخر وہ بلک بلک کر رونے لگی تھیں کہ جوانی کی دہلیز کو چھوتی بیٹی اور عمر میں اس سے چند قدم پیچھے بیٹے کے ساتھ دنیا کے بازار میں اپنا آپ بچا کر چلنا اب ان کے لیے ایک مشکل مرحلہ تھا جسے انہیں سر کرنا تھا لیکن کسی بھی مدد اور سہارے کے بغیر۔

❁......❁......❁

"یہ لے استاد۔"

جانی نے دن بھر تھیلا کندھے پر ڈال کر مختلف جگہوں سے شیشہ اور ربر وغیرہ جمع کیا تھا اور اب حسب معمول گھر جانے سے پہلے کباڑیے کو دے کر اپنی محنت وصول کر رہا تھا۔ فیکے کے ساتھ بھیک مانگنے کے دوران سنائی جانے والی گالیوں سے اکتا کر اس نے مختلف چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش تو بہت کی مگر ہر طرف سے ہونے والی ناکامی سے اکتا کر آخرکار اب وہ اپنے مطلب کی چیزیں ڈھونڈ کر کباڑیے کے ہاتھ بیچا کرتا اور مطمئن ہوتا کہ وہ رزق حلال لے کر گھر جا رہا ہے۔

"لے پکڑ اپنے ستائیس روپے۔" استاد نے پہلے خالی تھیلا اس کی طرف اچھالا اور پھر چند نوٹ اور سکے اس کی طرف بڑھائے۔

"لیکن استاد! اتنے کم پیسے؟ آج تو سامان بھی پہلے سے زیادہ تھا۔"

جانی جو کچھ دیر پہلے تک خوش تھا کہ اگر آج اس کے کندھے زیادہ بوجھ اٹھا رہے ہیں تو شام کو جیب بھی یقیناً اس بوجھ کو روپوں یا سکوں کی صورت اٹھا کر خوش ہو گی لیکن یہاں تو معاملہ بالکل ہی متضاد نکلا تھا سو جانی نے پہلے تو کھسیا کر ان لڑکوں کی طرف دیکھا جو استاد کو سامنے موجود پا کر محض اپنی کارکردگی دکھانے کی غرض سے بڑی پھرتی سے لائے گئے سامان میں سے ربر' شیشہ' لوہا اور دوسری چیزیں الگ کر کے متعلقہ ڈھیریوں کا حجم بڑھاتے جا رہے تھے۔

"کم......؟" استاد نے اپنی موٹی موٹی بھنویں سکیڑ کر ناک چڑھاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "ارے تو کیا یہ صندوقچی تیرے حوالے کر دوں' پھر ہو گا تو خوش۔" استاد نے ہاتھوں سے لوہے کی صندوقچی بجاتے ہوئے کہا۔ "ابے اوئے ایک بات کان کھول کر سن لے بازار میں کسی اور کے پاس سامان لے کر جاتا ناں تو اتنے بھی نہ ملتے۔ یہ بھی ترس کھا کر دے رہا ہوں ورنہ لایا کیا ہے تُو؟" پھر سے وہی ترس کا لفظ سننے کو ملا تھا جس سے جانی کو اب تک چڑ تھی اسی لفظ کی گردان سے وہ اس حد تک تنگ آ چکا تھا کہ اب محنت کی کمائی کرنا چاہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ ترس سے رقم اکٹھی کرتا۔

"استاد ایک موبائل ہے' لو گے سودا؟"

ابھی وہ استاد سے مزید بات کرنے کی ہمت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ سیاہ سے سفید ہوتی گھسی کالر کی شرٹ پہنے اور سر پر رکھی ٹوپی کا چھجا کانوں پر کیے ایک لڑکا دکان میں داخل ہوا اور آتے ہی بغیر سلام دعا کے ماچس کی جلی ہوئی تیلی کو زبان کی مدد سے دانتوں میں یہاں وہاں گھماتے ہوئے بولا تو استاد فوراً للچاتے ہوئے اس کی طرف

رکا۔ جانی بھی اپنی بات بھول کر ان دونوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

"نیا ماڈل ہے استاد! اس دفعہ کم میں بات نہیں ہوگی۔" موبائل استاد کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے ایک پاؤں سامنے رکھی کرسی پر رکھا اور گلے میں باندھا سرخ چیک کا چھوٹا سا مفلر کھول کر گردن کی پچھلی طرف گھمانے لگا۔

"کتنے لوگے؟" استاد بھی پیشہ ور تھا نئے ماڈل کا سیاہ چمچماتا موبائل دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے لگی تھی لیکن وہ ایک گھاگ خریدار کی طرح اپنی دلچسپی ظاہر کرکے ہرگز ہلکا پڑنا نہیں چاہتا تھا اسی لیے اپنے لہجے کو حتی الامکان سرسری رکھا۔

"سات ہزار سے کم ہرگز نہیں۔" مختصر سا جواب آیا۔

"سات ہزار؟" استاد نے حیران ہونے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے ابرو چڑھائے تو آنکھیں خود بخود پھیل گئیں حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس ماڈل کی قیمت بیس ہزار سے کسی طور کم نہ تھی۔

"ارے اس کے تو کوئی پانچ بھی نہیں دے گا جاؤ دوسرے کباڑیے بھی بیٹھے ہیں پوچھ لو سب سے جاکر۔"

"لیکن استاد.....؟" منہ میں حرکت کرتی تیلی داڑھ پر جاکر رک گئی تھی۔

"ارے سب جانتا ہوں میں بڑا آیا چوری کے مال پر دام لگانے والا۔ تین ہزار لینے ہیں تو بول ورنہ تیری مرضی۔" استاد نے اوپری دل سے موبائل واپس کیا تھا۔

"چل ٹھیک ہے استاد ہے تو یہ زیادتی مگر جو تیری مرضی۔" لڑکے نے ہار مانتے ہوئے موبائل دوبارہ استاد کی طرف بڑھایا تو اس سے پہلے کہ استاد نوٹ نکالتا اس کی نظر جانی پر پڑی جو بڑی حیرت سے دونوں کی بات چیت سن رہا تھا۔

"ابے ٹو ابھی تک یہیں کھڑا ہے؟" گرجتا لہجہ گم صم کھڑے جانی کا تو خون ہی خشک کرگیا۔ "چل فوراً پھوٹ یہاں سے۔" استاد نے چٹکی بجاتے ہوئے اسے باہر کا رستہ دکھایا تو وہ اس کی ابلتی ہوئی آنکھوں کے مزید پھیلنے سے سہم کر پیسوں کی درخواست کرنا بھول کر اپنا تھیلا اٹھانے کے بعد باہر بھاگا۔

یوں بھی جانی کو استاد کی آنکھوں سے بے حد خوف آتا تھا لیکن مجبوری روزانہ اسے وہیں لے جاتی تھی۔

❁......❁......❁

فیکا اور ناجی اپنی بیٹیوں کے ساتھ کسی ایک ٹھکانے پر بھیک نہیں مانگتے تھے بلکہ محرم، رمضان شریف اور دوسرے مواقعوں کی نسبت سے ان کی جگہیں اکثر تبدیل بھی ہوا کرتی تھیں۔ چند دن پہلے تک ان کے رزق کا بسیرا ایک میٹرنٹی ہوم کے آہنی گیٹ کے عین بائیں طرف بیٹھے چوکیدار سے چند ہاتھ فاصلے پر تھا جہاں آنے والی خواتین نئی خوش خبری اور اللہ کو راضی رکھنے کے شوق میں کشکول میں جھنکار پیدا کرنے کا باعث بنتیں تو بعض اوقات اولاد حاصل کرنے والے جوڑے صدقہ و خیرات کرتے۔

یہ جگہ یوں بھی انہیں بڑی موافق آئی تھی کہ اسپتالوں کے باہر بیٹھے سائلوں کو عموماً آتے جاتے مریض اور ان کے رشتہ دار اس لیے بھی کچھ روپے پیسے دے دیا کرتے ہیں کہ شاید ان کے منہ سے نکلی دعا رب تعالیٰ کے حضور ان کے شفا اور خوشیوں کا باعث بن جائے مگر پیشہ ور فقیر اکثر ان روپوں کو اپنی دعاؤں کے معاوضے کے طور پر ہی وصول کرتے ہیں مگر جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے دینے والا ضرور اس دی گئی رقم کا فکس ڈیپازٹ کئی گنا منافع کے ساتھ وصول کرنے کے لیے اللہ کے پاس جمع کروا دیتا ہے اور ان معاوضہ کی کی گئی دعاؤں کا نہ سہی مگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر دنیاوی صورت میں بھی ظاہر ہوکر رہتا ہے۔

فیکے اور ناجی کا بس چلتا تو اسی جگہ کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا لیتے لیکن ایک شام بستی واپسی پر جب فیکا قمیص کے اندر چھپایا اور باندھا گیا بازو باہر نکال کر باقاعدہ دونوں ہاتھوں سے سڑک کے ایک طرف بنے کیبن سے بیٹری خرید رہا تھا تو میٹرنٹی ہوم کی مالکن نے نہ صرف اسے دیکھ لیا بلکہ اسی وقت گاڑی سے نکل کر اس کی بے عزتی بھی کردی اور آئندہ نظر آنے کی صورت میں پولیس کو بلانے کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ سو آج کل وہ لوگ یوں ہی کبھی ادھر کبھی ادھر کسی اور منافع بخش ٹھکانے کی تلاش میں تھے کہ ہر ماہ کرائے پر



حاصل کی جانے والی ریڑھی کا کرایہ بھرنا ان کے پیٹ بھرنے سے کہیں زیادہ اہم تھا۔

❁......❁......❁

"اچھا اماں! اللہ حافظ۔" بابر نے صبح سویرے کام پر جانے سے پہلے ماں کو الوداعی کلمات کہتے ہوئے ان کے سامنے سر کو ہلکا سا خم دیا تو وہ پیار سے اس کی کمر تھپک کر ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے مسکرا دیں۔

"اللہ تیرا نگہبان ہے میرے بچے! جا اللہ کے سپرد اللہ کی امان۔" اتنی خوب صورت دعا محبت بھرے لہجے اور ماما کے لمس نے بابر کے اندر ایک انجانی طاقت سی بھر دی تھی۔

"اور ہاں بیٹا! اونچ نیچ تو ہر جگہ ہوتی رہتی ہے مگر برداشت کرنے میں ہی بہتری ہے جب سیٹھ کوئی ایسی ویسی بات کردے تو بس صبر سے کام لیا کر۔" وہ رات کو بھی کافی دیر اسے سمجھاتی رہی تھیں اور اب خلاصے کے طور پر یاد دہانی کے طور پر دہرائے جانے پر جملے بھی گزشتہ سے پیوستہ تھے۔

"یہی تو مجھ سے نہیں ہوتا ناں اماں! آخر ہم بھی تو انسان ہیں اگر ذرا سی غلطی ہوجائے تو انہیں بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ یہ کیا کہ چھانپڑ لگانے لگتا ہے وہ ٹھیکیدار۔" بابر کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"بس بیٹا! نوکروں کو نخرہ جچتا نہیں ناں اس لیے تو اوپر والے پر اپنا معاملہ چھوڑ کر ایمانداری سے بس کام کرتا جا پھر اوپر والا جانے اور نیچے والے۔ وہ بڑا بے نیاز ہے پر تختی بھی بے رُتی ڈھیلی کرتا ہی جاتا ہے آخری وقت تک وہ بھی چاہتا ہے کہ ہم سدھر جائیں اور گرفت مضبوط نہ کرنی پڑے۔ پر ہم...... ہم انسان بھی تو ضدی ہیں جب تک خود آگ سے ہاتھ نہ جلالیں یقین نہیں کرتے کہ یہ زرد اور نارنجی سی شے ہمیں جلا کر سیاہ راکھ کا ڈھیر بھی کرسکتی ہے پر تب یقین کرنے کا کیا فائدہ بھلا۔" نبیلہ جانتی تھیں کہ جوان خون ہے جو عموماً مصلحتوں کا شکار کم ہی ہوتا ہے جس کے لیے عزت نفس اس کی عزیز ترین چیز ہوتی ہے اور جو ہر بات اور عمل کو توازن پر رکھ کر تولتا ہے۔

"اسے دیکھ کر مجھے آپ کی یہی باتیں تو یاد آجاتی ہیں اور میں چپ ہوجاتا ہوں ورنہ اماں دل تو چاہتا ہے کہ ایک گھونسہ اس کے منہ پر مار کر چلا آؤں۔ محنت ہی کرنی ہے ناں کسی اور جگہ جاکر کرلوں۔" ٹھیکیدار کا ناروا سلوک برداشت کرتے کرتے اب وہ زچ ہوگیا تھا جب ہی نرم لفظوں میں ماں کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کرکے اس کا ردعمل جاننے کی کوشش کی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں جھگڑا فساد کرنے کی سمجھے؟" نبیلہ نے پیار بھری خفگی سے کہا۔

"اور اب جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" بات کرنے کے ساتھ ہی نبیلہ نے دروازہ کھول دیا تو وہ ان کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر رفتہ رفتہ ہجوم میں گم ہونے لگا۔

"نبیلہ اسی طرح ایک ہاتھ سے دروازہ پکڑے وہیں کھڑی اس کی پشت دیکھتی رہیں۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے بابر کسی دن......"

کسی بھی قسم کے خدشے کو زبان پر آنے سے روکنے کے لیے زینب چپ چاپ بس نبیلہ کو دیکھے گئی جس کے چہرے پر عبدالواثق کے دنیا چھوڑ جانے سے کس قدر جھریاں در آئی تھیں۔

"ہاں اندیشہ تو ہے پر اللہ کرے ایسا نہ ہو ہمارا واحد سہارا بعد از خدا اب بابر ہی تو ہے۔" وسوسوں کو سلاتے ہوئے بھی نبیلہ نے زینب کے خدشات کی تردید نہیں کی تھی گو کہ واہموں کے ناگ پھن پھیلائے کئی دنوں سے ان کے سامنے رقص کر رہے تھے۔

"جذباتی تو وہ پہلے سے ہے مگر ابا کے جانے کے بعد سے اس کی برداشت تو جیسے بالکل ہی جواب دے گئی ہے۔" دروازہ بند کرکے پیچھے مڑتے ہوئے وہ بولی مگر نبیلہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی دوبارہ دروازہ بجا اور ہاتھوں میں سپارہ لیے چند بچے اندر داخل ہوئے۔

انہیں اور محلے کے باقی بچوں کو بھی نبیلہ بڑی نیک نیتی سے نہ صرف سپارہ پڑھایا کرتی بلکہ رموزِ اوقاف تک ذہن نشین کرواتے ہوئے نیکی کی چھوٹی چھوٹی باتیں بتانا بھی انہوں نے اپنا معمول بنا رکھا تھا۔

عبدالواثق کی وفات کے بعد کبھی کبھار آس پڑوس کے لوگ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے مگر نبیلہ نے اپنی خودداری بچاتے ہوئے سب کو بڑی سہولت سے منع کردیا یوں بھی ان کے نزدیک بیٹھ کر یا کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر مانگ کر کھانا رزق آتش کے برابر تھا اور اپنے ہاتھ سے کی گئی محنت کی کمائی سے تمام دن میں چند نوالے کھا کر پانی پی لینا ان کے نزدیک بہتر تھا بہ نسبت کسی خیرات میں بخشی ہوئی روٹی سے تین وقت سیر ہو کر کھانا۔

❀......❀......❀
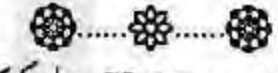
"ہاں بھئی کہاں ہے تیری حق حلال کی کمائی؟" شام کو گھر پر اکٹھا ہونے کے بعد فیکا آلتی پالتی مارے چارپائی پر بیٹھا آج کمائے جانے والے پیسوں کا حساب کررہا تھا' باری باری سب سے دیہاڑی وصولنے کے بعد حسب معمول آخر میں جانی کی باری آنے پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ابا آج تو......" اس نے بڑی بے چارگی سے ڈرتے ڈرتے دونوں خالی ہتھیلیاں اس کے سامنے پھیلا دیں۔

"ہونہہ! یہ ہے بھئی اس کی محنت کا انعام۔" فیکے نے طنز کیا۔

"یہ دیکھ چھوٹے ہیں تجھ سے نوشا اور طاقو' اور یہ دیکھ......" فیکے نے سلور کا کٹورا ہوا میں لہراتے ہوئے فخر سے پہلے چھوٹے بیٹوں کو دیکھا اور ملال بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے کٹورا عین اس کے سامنے کیا تاکہ اسے وہ پیسے نظر آسکیں جو ابھی ابھی اس نے گن کر رکھے تھے۔

"دیکھ لے جانی' دونوں کتنے پیسے لے کر آئے ہیں آج پھر اور تو محنت کی' حق حلال کی کمائی...... ہونہہ!" فیکے نے چہرے کے نقوش بگاڑ کر کہا تو تاجی نے بھی لفظوں کی مار میں اپنا حصہ ڈالنا مناسب اور ضروری خیال کیا۔

"اور کیا...... بلکہ نکڑ والے تندور سے دونوں نے روٹیاں کھائیں اور اکٹھی کر کے ہمارے لیے بھی لے آئے۔" تاجی نے محبت بھری نظروں سے نوشے اور طاقو کو دیکھتے ہوئے جہاں ان کی کارکردگی کو سراہا تھا وہیں اسے وقت ضائع کرنے پر طنز اور غصیلی نظروں سے بھی دیکھا تھا۔ اسی لمحے جانی کو اپنا آپ بے حد خالی لگنے لگا تھا۔

ذہن پر زور ڈالنے کی اس نے کوشش تو بہت کی مگر کوئی ایسا لمحہ خیال کی گرفت میں نہ آسکا جس میں تاجی نے اسے بھی ماں ہونے کا احساس دلاتے ہوئے سب کے بیچ یا تنہائی میں سراہا ہو' ممتا بھری نظروں سے دیکھا ہو' محبت سے اس کی کمر پر بھی تھپکی دے کر اس کے بال سنوارے ہوں' اس معاملے میں تو اس کے ذہن کی سلیٹ کوری تھی اور ایسا کوئی بھی نقش وہاں اس کی ممتا کا ثبوت دینے کو حاضر نہ ہوا تھا۔

"ابا! میں نے خود بھائی کو آرام سے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر گاڑیاں گنتے دیکھا تھا۔" نوشے نے فیکے کے سامنے نمبر بڑھانے کی غرض سے کہا تو وہ جیسے جانی پر بل ہی پڑا۔

"اچھا تو ہمیں کہتا ہے محنت کرتا ہوں ایک چکر میں دو تین کرچیاں چُن کر چند سکے میرے منہ پر دے مارتا ہے اور کہتا ہے حلال کماؤں گا' ہونہہ! اوی تو کبھی دمڑی بھی نہیں' گھر سے باہر جا کر بیٹھا رہتا ہے لفنگے!" طیش میں آکر فیکے نے دو ہاتھ اس کی کمر پر جڑ دیئے تھے۔

"ہم تو الو ہیں ناں' سارا دن گالیاں بھی سنتے ہیں اور خوار بھی ہوتے ہیں۔" فیکے کے منہ سے غصے کے مارے کف بہنے لگا تھا جانی کی آرام طلبی کی رپورٹ اسے جلا ہی تو گئی تھی۔

پینو چپ چاپ گود میں سر رکھ کر لیٹی رانی کے بال انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے ہونٹ کاٹتی رہی۔

"جانی! پیسے کما کر نہیں لائے گا تو تیرے پیٹ کا دوزخ بتا کون بھرے گا اور...... اور میں تو کہتی ہوں یہ روز روز کی بہانے بازیاں چھوڑ اور ہمارے ساتھ دھندے پر جایا کر' نہ کیا کر باپ کو تنگ۔" تاجی نے دوپہر کو نوشے اور طاقو کی حاصل کردہ روٹیوں کو لحہ بھر کے لیے پانی میں بھگو کر دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھنے کے بعد ہلکے ہاتھ سے دبایا اور معمولی سا گھی لگے توے پر ڈال کر الٹ پلٹ کرنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں سفید روٹی کی جگہ مدھم سنہری پراٹھا بن چکا تھا اور آج چونکہ دیہاڑی اچھی لگ گئی تھی اور روٹیاں بھی موجود تھیں سو آتے ہوئے فیکا حفیظ کی دکان سے گھی کا ایک ساشہ بھی خرید لایا تھا۔



مار کھانے اور مغلظات سننے کے بعد جانی گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا تھا' تاجی نے روٹیوں کو پراٹھے میں بدلنے کے بعد سب سے پہلے فیکے کو دی اور پھر نوشے اور طاقو کو دینے کے بعد باری باری پینو' رانی اور گڈی کو جو حیرت آمیز نظروں سے توے کو دیکھتیں شاید اس مہک کو اپنے اندر محفوظ کرلینا چاہتی تھیں کہ ایسی عیاشیاں بھلا روز روز تھوڑا ہی ہوتی ہیں۔

فیکا کھانے سے فارغ ہو کر ماچس کی تیلی دانتوں میں دباتے ہوئے حفیظ کی دکان سے بیڑی لینے گیا جس کے بعد اسے کھلے میدان میں موجود اپنے سنگی ساتھیوں کے ساتھ گپیں بھی ہانکنا تھیں۔

یوں بھی یہ فقیروں کی بستی نہ تھی اور نہ ہی یہاں کے تمام باسی گداگر تھے بلکہ کچھ ایسے بھی تھے جو مختلف طریقوں سے خود محنت کر کے کماتے۔ فخرو کی بیوی اور بیٹیاں اسے پکوڑے آلو کی ٹکیاں اور پودینے کی چٹنی بنا کر دیتیں اور وہ سر پر رکھ کر سارا دن تپتی دھوپ میں گلی گلی پھرتا' پہلی ترجیح اس کی اسکول کے گیٹ ہوا کرتے تھے لیکن پھر بھی بعض اوقات سامان بچ جاتا۔ سردیوں میں اکثر اسے مغرب کے بعد سے عشاء تک ابلے ہوئے انڈے بیچتے دیکھا جاتا۔ اسی طرح دینو چھریاں' چاقو تیز کر کے گزر بسر کرتا تو ماجھا اسپتال میں دو وقت جھاڑو پونچھا کرتا۔ اسی طرح بھکاریوں کے چند گھرانے بھی اسی بستی کا حصہ تھے۔

جب گھر کے سبھی افراد اپنے اپنے حصے کی روٹی کھا کر فارغ ہوگئے تو جانی نے بھی چند لقموں کی آس میں آہستگی سے چولہے کی طرف کھسک کر تھوڑی گھٹنوں پر ٹکادی۔

"جا اٹھ کے چلا جا' کچھ نہیں ہے تیرے لیے۔ سارا سارا دن باہر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے کے بعد گھر آجاتا ہے' ہم تو پاگل ہیں ناں صبح سے شام تک بہروپ بنائے جھولیاں پھیلا کر دنیا والوں کی گالیاں سنتے رہتے ہیں۔" تاجی نے انتہائی غصے میں ناک پھلاتے ہوئے کہا اور تیل کی بوتل اور چولہا اٹھا کر ایک طرف رکھا اور اپنی روٹی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جانی کے حصے کی روٹی البتہ وہ پہلے ہی نوشے اور طاقو کو انعام کے طور پر دے چکی تھی جو کہ جانی کے لیے یقیناً سزا تھی۔

"اماں بس...... بس تھوڑی سی۔" بھوکا رہنا اس کے لیے کوئی نیا تجربہ نہ تھا بلکہ وہ تو اس مشق کا عادی تھا لیکن کیا کرتا گھی کی اڑتی ہوئی اشتہا انگیز اور بھوک بڑھاتی خوشبو نے اسے نفس کے ہاتھوں مجبور کردیا تھا سو بول ہی پڑا۔ تھوڑی ہنوز گھٹنوں پر جبکہ آنکھیں تاجی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ایک لقمہ نہیں دوں گی تجھے آج بھوکا سوئے گا ناں تو کل خود بخود کچھ لائے گا' اگر آج میں نے کھلا دیا تو تیری نکمی عادتیں میری آس پر پکی ہوجائیں گی۔" وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے تاجی روٹی کھانے لگی۔

"کیا یہ میری سگی ماں ہے؟" جانی نے دلگرفتی سے سوچتے ہوئے دوبارہ اپنی پیشانی گھٹنوں پر ٹکادی۔ روٹی کھاتی تاجی نے ایک نظر اسے دیکھا اور "ہونہہ" کہہ کر دوبارہ چھوٹی چھوٹی برفیاں پانی سمیت حلق سے اتارنے لگی تاکہ ذائقہ دیر تک برقرار رہے۔

تاجی روٹی کھانے کے بعد چارپائی پر جا لیٹی تو پینو نے ماں سے نظر بچا کر سونے کے لیے لیٹ جانے والے جانی کے سامنے اپنی آدھی روٹی لے جا کر رکھ دی جو اس نے خاص طور پر اسی کے لیے بچا کے رکھی تھی۔ جانی نے تشکر آمیز ممنون نظروں سے پینو کی طرف دیکھا تو آنکھیں بھر آئیں۔

ہمیشہ سے جانی کو اپنی یہ پیاری سی بہن باقی سب کے مقابلے میں اپنے دل کے بہت قریب معلوم ہوا کرتی تھی' تاجی کے بجائے وہ اس کا یوں خیال رکھا کرتی جیسے گڈی کی عمر کا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا پینو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا کہا اور سلور کے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے حوالے کرنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

گو کہ وہ سبھی ابھی بچے ہی تھے' انہیں ایک دوجے کا احساس اس طرح تک نہیں تھا جتنا ہونا چاہیے تھا۔ بچپن کی دہلیز عبور کرتے جوانی کی چوکھٹ کو چھوتے ان سب میں سے باقی بہن بھائی اپنی جگہ لیکن جو انسیت پینو کو جانی اور جانی کو پینو سے تھی وہ دوسرے بہن بھائیوں میں سے کسی میں نہیں تھی۔ یہ چند نوالے آج جانی کو مرغ مسلم کا مزہ دے گئے تھے سو پانی پی کر صبح کچرا چھاننے کے لیے مزید دور جانے

کا سوچ گراں ہی خیالات کا تانا بانا بننے لگا۔

آنکھ کھلی تو تب جب رات کے کسی پہر ایک مرتبہ پھر اسے بھوک نے آلیا' کروٹ بدل کر ابھی لیٹا ہی تھا کہ دن کی تپش اور حبس کے برعکس خراماں خراماں چلتی ہوا اسے شاد کرگئی تھی' فرش پر سونے کی وجہ سے بے تحاشا پسینہ تو ضرور آیا تھا لیکن پسینے سے شرابور گیلے جسم کو چھوتے ہوا کے سبک جھونکوں نے عجیب سرور کی سی کیفیت پیدا کردی تھی۔

یوں بھی شاید رُت ہی کچھ ایسی تھی کہ دن چاہے جیسے بھی ہوں لیکن راتیں اکثر خوشگوار ہوجایا کرتیں جبھی وقت کا اندازہ کرنے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنا چاہا تو صحن میں بچھی چارپائی پر تاجی اور فیکے کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ دوسرے ہی لمحے جو اس نے مخالف سمت کی طرف گردن موڑی تو وہاں لیٹی پینو پر نظر ٹھہر سی گئی' چند لمحے آنکھیں پھیلا کر غور سے دیکھنے پر اسے اندازہ ہوا کہ وہ تو ابھی جاگا ہے لیکن پینو جانے کب سے ماتھے پر بازو رکھے آنکھوں کو ڈھانپنے کے باوجود پلکوں کی جھریوں سے انہی دونوں کو دیکھ رہی ہے۔

اس لمحے جانی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنے ماں باپ کو اس مدہوشی سے نکالے یوں بھی وہ اب تو تلی زبان میں باتیں کرتا بچہ نہ تھا اور خصوصاً پینو شعور کی جس سیڑھی پر قدم رکھ چکی تھی وہ عمر والدین کے لیے امتحان کی ہوتی ہے۔ بعض اوقات والدین' اولاد اور خصوصاً بچیوں کو چار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بہت زیادہ دوستیاں کرنا بھی معیوب سمجھتے ہیں مگر گھر کے ماحول کو ان کی بڑھتی عمر کے لحاظ سے ڈھالنا اکثر نظر انداز کرجاتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ جانی ان دونوں کو مخاطب کرکے کچھ کہتا فیکے نے سفید مومی لفافے سے خاکی کاغذ میں لپٹی برفی کی واحد ڈلی نکالی جس پر لپٹا ورق چاندنی رات میں خوب چمک رہا تھا۔ شاپر خالی ہوجانے پر اسے ادوائن میں ٹھونسنے کے بعد ٹکڑا پہلے تاجی کے منہ میں ڈالا اور پھر تاجی نے فیکے کے منہ میں...... یہ منظر دیکھ کر جانی کے دل میں تو گویا کانٹے سے چبھنے لگے تھے یوں لگا جیسے کوئی زہر سے بجھی انی اس کے سینے میں آر پار بڑی بے دردی سے کیے جارہا ہے۔

"کیا انہیں ایک لمحے کے لیے بھی ہم میں سے کسی کا خیال نہیں آیا؟ جو حلوائی کی دکان سے گزرنے کے بعد بھی مڑ مڑ کر اس وقت تک مٹھائیوں کو دیکھتے ہی چلے جاتے ہیں جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوجائیں اور پھر میں جو صبح سے بھوکا تھا۔" وہ چپ چاپ سوچے گیا اور جانے کب تک یونہی سوچتا کہ تاجی کی ہلکی سی ہنسی سرگوشی بن کر اس کی سماعتوں میں سیسہ پگھلاتی محسوس ہوئی۔

ایک دم اسے پینو کے بھی جاگنے کا خیال آیا تو کچھ سوچ کر فیکے کی موجودگی کے باعث ہمت کرکے بولا۔

"اماں...... او اماں! بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" اس نے سابقہ حالت میں لیٹے پشت ان کی طرف کرنے کے بعد کہا اور وہ بھی یوں کہ جیسے نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔ ان دونوں میں سے کسی کے بھی بولنے سے پہلے خالی کاغذ کے کھڑکھڑانے کی آواز البتہ جانی نے خوب سنی تھی۔

"زندگی اجیرن کردی ہے اس لڑکے نے۔" فیکے نے بے زاری سے گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

"بھوک لگ رہی ہے تو مجھے کھالے ہڈ حرام! اس وقت کچھ نہیں ہے میرے پاس' دفع ہو سوجا۔" تاجی نے فیکے کے برعکس رات کا لحاظ رکھتے ہوئے آواز دباتے ہوئے کہا جانی کو قطعاً کوئی غرض نہ تھی وہ تو بس کسی طرح یہ منظر بدلنا چاہتا تھا جس میں سو فیصد کامیاب بھی رہا تھا۔ ہلکا سا رخ موڑ کر اس نے پینو کو دیکھا جو اب کروٹ لے چکی تھی سو گہری سانس لے کر اپنے ماں باپ کے رویے پر غور کرتا آہستہ آہستہ ایک بار پھر سو گیا۔

❁......❁......❁

"کتنی مرتبہ سمجھایا ہے تجھے برداشت سے کام لیا کر' ٹھیکے دار کچھ بھی کہے بس یہی سمجھ کہ تجھ سے پیچھے کوئی اور لڑ کا کھڑا ہے جس سے وہ بات کررہا ہے لیکن تُو نے......" بہتے آنسوؤں نے نبیلہ کو مزید کچھ بھی بولنے سے روک دیا تو وہ خاموشی سے مالکِ مکان سے مستعار لی گئی استری سے اپنا چارتہہ میں کیا گیا دوپٹہ گرم کرکے بابر کے چہرے اور بازوؤں پر ٹکور کرنے لگی جو سیاہی مائل سرخ ہوچکے تھے اس کے علاوہ



چہرے پر جابجا پڑنے والے نیل سے جلد کی ہیئت ہی تبدیل ہوکر رہ گئی تھی۔

"اماں وہ......" کراہتی آواز میں بابر نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن زینب نے روک دیا۔

"بس اب خاموشی سے لیٹے رہو' بولنے سے تمہیں تکلیف ہوگی جو ہوا یہ ہونا ہی تھا اس لیے دل پر مزید بوجھ نہ ڈالو۔" زینب نے گرم استری دوپٹے پر اچھی طرح رگڑنے کے بعد ماں کو پکڑاتے ہوئے نرمی سے بابر کو خاموش کروایا اور ماں سے مخاطب ہوئی۔

"اماں! آپ یوں رو رو کر خود کو ہلکان نہ کریں' اللہ کا یہی احسان کیا کم ہے کہ اس کی جان بچ گئی خود سوچیں اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوجاتا پھر......" ماں اور بھائی کو حوصلہ دیتے دیتے وہ خود رونے لگی تھی۔ نبیلہ نے جو اسے یوں روتے دیکھا تو میری بچی کہہ کر فوراً سینے سے لگالیا کچھ دیر تو بابر بڑے ضبط کے ساتھ یہ سب دیکھتا رہا پھر بالآخر بول پڑا۔

"اماں! میں کبھی اس کو اینٹ نہ مارتا بلکہ اینٹ تو کیا جواب تک نہ دیتا لیکن اماں......" جب سے وہ زخمی حالت میں گھر آیا تھا انہوں نے اس سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں پوچھی تھی بلکہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر رہ گئی تھیں اب جو بابر خود سے کچھ بتانے لگا تو دونوں اس کی بات سننے لگیں۔

"میں بھٹے سے تیار ہونے والی اینٹیں بڑے دھیان سے گدھا گاڑی میں رکھ رہا تھا کہ موٹر سائیکل پر بیٹھا فدا روز کی طرح مجھ پر آوازیں کسنے لگا' لمحے بھر کو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا ہی تھا کہ نہ جانے کیسے اینٹیں نیچے جاگریں۔ ٹھیکیدار نے دیکھا تو گالیاں دینے لگا' میں پھر بھی چپ چاپ سنتا رہتا لیکن......" بات کرتے کرتے اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔

"لیکن اماں! جب اس نے ماں بہن کی گالیاں دینی شروع کیں تو پھر مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں نے اینٹ اٹھا کر ٹھیکیدار کے سر پر دے ماری۔" نبیلہ اور زینب کی سرخ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور دل بے بسی کے احساس سے شکستہ ضرور تھا لیکن سر فخر سے بلند ضرور ہوگیا تھا۔

"جواب میں فدا اور اکرم نے مجھے مارا لیکن میں مطمئن ہوں کہ میں نے مصلحت کے ہاتھوں اپنی غیرت کا سودا نہیں کیا۔"

"اللہ تجھے لمبی عمر اور صحت دے میرے بچے! تجھے طاقت دے کہ تو اپنا فرض نبھا سکے۔" آن کی آن میں آنسو تھم سے گئے تھے ان کے لیے یہ احساس بھلا کیا کم تھا کہ ان کی حفاظت کے لیے ان کے پاس بابر ایک غیرت مند بھائی اور احساس ذمہ داری رکھنے والے بیٹے کی صورت میں موجود تھا۔ ایک مرتبہ پھر آنکھیں جل تھل ہونے لگیں مگر اس دفعہ آنسو شکر کے تھے۔

جبھی ٹکور کی نیت سے ہاتھ میں پکڑے جانے والا دوپٹہ زینب کو تھما کر وہ باورچی خانے کی طرف چلی آئیں جہاں آٹے کا خالی کنستر کسی بھکاری کی طرح راہ دیکھ رہا تھا۔ بھٹے کا مالک ہفتے کے ہفتے پیسے دیا کرتا تھا اور آج بابر کو ملنے والے پیسوں سے ہی آٹا بھی منگوایا جانا تھا جو کہ اب ظاہر ہے کہ منگوایا نہ جاسکتا اور محلے میں کسی سے مانگنا نبیلہ کو کبھی گوارا نہ ہوتا جبھی تین روٹیوں کے گندھے ہوئے آٹے سے روٹیاں بناتے ہوئے چہرے پر کرب اور تکلیف کے تاثرات بھی سجالیے کیونکہ یہی واحد طریقہ تھا جس سے وہ بابر اور زینب کو پیٹ میں درد کا کہہ کر کھانا کھلاسکتی تھی۔ شام کو کھانے میں کیا ہوگا یا ہوگا بھی کہ نہیں...... یہ سوال بھی اپنی جگہ قائم تھا اسی لیے وہ چاہتی تھی کہ اس وقت جتنا میسر ہے وہ تو کم از کم دونوں شکم سیر ہوکر کھائیں۔ رہی بات نبیلہ کے پیٹ کے درد کی...... تو وہ تو اکثر ہوتا ہی تھا۔

❁......❁......❁

دن خزاں میں جھڑنے والے پتوں کی مانند وقت کا ساتھ چھوڑتے جارہے تھے اکثر دیہاڑی نہ لانے کے باعث تاجی اور فیکے کے نامناسب رویے نے جانی کو بددل کردیا تھا۔ آج کل یوں بھی ان سب کا دھندہ بھی سرد پڑ گیا تھا جبھی فیکے نے یہ طریقہ نکالا کہ روزانہ طاقو کے ماتھے اور بازو پر پانی ملی ہلدی مل کر اوپر سفید پٹی یوں باندھتا کہ چوٹ کا گمان ہوتا اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے جاکر کہانی یوں

بیان کی جاتی کہ "جناب ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے پٹی تو ہم نے کروالی لیکن دوادارو کے لیے پیسے چاہئیں" اور یہ گُر کافی حد تک کامیاب بھی رہا تھا جبکہ تاجی' گڈی کو افیم چٹا کر بے سدھ بچی کو اسپتال کے گیٹ کے سامنے ہاتھوں پر ڈالے پھرتی اور ساتھ ہی ڈاکٹرز کی سنگ دلی کا رونا روتی کہ روپوں کے بغیر کوئی بھی ڈاکٹر اسے ہوش میں لانے کو تیار نہیں' اس لیے خدارا اس کی چند روپوں سے مدد کی جائے۔

جانی کے پاس آج کباڑیے کو دینے کو کچھ بھی نہیں تھا کسی وزیر کی متوقع آمد کے باعث سارا کچرا گاڑیوں کی مدد سے اٹھا کر ایسی جگہ منتقل کیا جارہا تھا جو وزیر صاحب کے آنے والے رستے سے نہ ٹکراتی ہو گو کہ یہ ان کا اپنا حلقہ تھا اور وہ الیکشن نزدیک ہونے کی وجہ سے علاقے کے بہت بڑے تاجر کی مزاج پرسی کے لیے آرہے تھے سواداروں نے اپنی کارکردگی دکھانے کی غرض سے سارا کوڑا کرکٹ ہٹوا کر سڑک کے دونوں اطراف سفید چونے کی لائنیں لگوادیں کیونکہ ان کے ساتھ کیمروں اور صحافی حضرات کا ہونا بھی خارج از امکان نہ تھا اور پھر بعض اوقات بندہ کام کرنے کے بجائے فارغ رہنے سے بھی تھک جاتا ہے اسی طرح تھیلا کندھے پر ڈالے جانی بھی یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتے گھومتے تھک گیا تھا۔

بھوک محسوس ہوئی تو وہ ایک ہوٹل کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بڑی دلچسپی سے وہاں پر موجود چیزوں کو دیکھنے لگا' لکڑی کے کاؤنٹر پر شیشے کے مختلف قسم کے مرتبانوں میں کیک رس' پیسٹریاں اور مختلف انواع بسکٹ موجود تھے جنہیں گاہک اپنی پسند کے مطابق آرڈر کیا کرتے' دائیں طرف بنیان پہنے اکڑوں بیٹھا شخص گدی کی مدد سے جھک کر ایک کے بعد ایک روٹی تنور میں لگاتا اور نکالتا جارہا تھا۔ ساتھ ہی مختلف دیگچیوں میں تین چار قسم کے سالن تھے۔ ہوٹل چونکہ بس اسٹاپ پر تھا اس لیے خوب چلتا تھا اور اکثر ڈرائیور حضرات اور مسافر یہیں کھانا کھایا کرتے تھے۔

جانی حسرت بھری نظروں سے سامنے موجود تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا اور قریب تھا کہ حاصل کرنے کی تمنا اس کے دل ہی میں دم توڑ دیتی مگر اس کے سامنے غیر متوازن میز پر موجود ایک شخص کے ہاتھ میں پکڑا نوالہ گاہکوں کے آرام کی خاطر لگائے گئے شامیانے پر جانے کب سے تاک میں بیٹھا کوا یوں جھپٹ کر لے اڑا کہ وہ شخص بس دیکھتا ہی رہ گیا کیونکہ وہ تو شامیانے میں اس لیے عین فرشی پنکھے کے سامنے بیٹھا تھا تاکہ اندر کے حبس سے بچ جائے لیکن...... اس شخص نے مسکراتے ہوئے گردن کو جھٹکا دیا اور دوبارہ کھانے میں مشغول ہوگیا مگر جانی کے دماغ سے وہ منظر اب تک نہیں نکل پایا تھا۔ ایک خیال بجلی کی مانند اس کے ذہن میں کوندا تھا جس نے اس کے تمام حواس جگا کر رکھ دیے تھے۔

"لیکن یہ سب کیا ٹھیک ہوگا؟" اس نے سوچنا تو چاہا مگر کوئی بھی تدبیر اس وقت قابلِ قبول نہ لگی۔ جانی کے لیے اس کی زیست کا وہ ایک لمحہ ہی شاید سب کچھ تھا۔ کندھے پر رکھا تھیلا اسی پل بارِ گراں لگنے لگا تھا۔

"حیرت ہے وہ کم عقل کوا ہر کام کرسکتا ہے تو میں کیوں نہیں اور کیا میں اتنا بدھو ہوں کہ آج پھر بھوکا سوؤں؟"

جونہی اس نے اس نظریے سے سوچا تو ایک بار پھر فیکے اور تاجی کا رویہ سامنے آگیا جن کے نزدیک مفت میں بچوں کو کھلانے سے کام کرنے کی لگن پیدا نہیں ہوتی اور واقعی ان کے اس طرزِ عمل سے اس کے اندر بھی کام کرنے کی لگن پیدا تو ضرور ہوئی تھی اور بڑی شدت سے ہوئی تھی مگر انداز کچھ مختلف بھی تھا اور منفرد بھی......

تبھی اب اس کے قدم اس ٹھیلے والے کی طرف بڑی تیزی سے بڑھنے لگے جو بڑے سے گول سیاہ توے پر چھوٹی چھوٹی ٹکیاں سجائے چمٹے کی مدد سے انہیں ہلکا ہلکا دباتے ہوئے بڑی پھرتی سے گاہکوں کو نمٹانے میں مصروف تھا۔

❁......❁......❁

"لو بھئی آگیا سب سے زیادہ کمائی والا۔"

پہلے کی نسبت آج وہ ذرا دیر سے گھر پہنچا تھا' گھر کے سبھی افراد موجود تھے اور فیکا تمام حساب کتاب نمٹا چکا تھا۔ پینو نے چونک کر بڑی سہمی نظروں سے اسے دیکھا جبکہ تاجی لوٹے اور طاقو کے ماتھے اور ہاتھ پر لگی پٹیاں اتارتے ہوئے لمحہ بھر کو رکی اور پھر مصروف ہوگئی۔



"کاش ان دونوں کی طرح اماں مجھے بھی کبھی اتنے پیار سے بٹھائے۔"

تاجی کو دیکھ کر محبت کے بجائے ایک حسرت سی سردیوں میں سہ پہر کی دھوپ کی طرح اداسی بن کر اس کے دل میں پھیل جاتی اور پھر آج تو وہ تھا بھی بے حد خوف زدہ۔ جتنا ڈر اسے اس وقت اماں ابا کے سامنے لگ رہا تھا اتنا تو اس ٹھیلے والے سے نہیں لگا تھا جہاں سے وہ دل مضبوط کرکے یہ ٹکیاں اٹھا لایا تھا۔ اس سارے معاملے کی خبر فیکے کو ہونے پر جو مار اسے پڑتی اور تاجی سے جو گالیاں سننے کو ملتیں اس تصور سے ہی اس کا دل بیٹھا جارہا تھا۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ میں خالی ہاتھ چلا آتا کم از کم دل کی اس دھڑ دھڑ سے تو بچتا۔" جانی نے کن اکھیوں سے فیکے اور تاجی کو دیکھا۔

"او فیکے! ذرا بات تو سن۔" باہر سے آتی ماجھے کی آواز پر فیکا کھوجتی نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولتا باہر نکل گیا جیسے کہتا ہو "آ کر پوچھتا ہوں تجھے۔" بھی چونکہ کما کر لائے تھے اس لیے چولہے کے گرد بیٹھے روٹی کا انتظار کررہے تھے' رانی اور گڈی بھی پینو کے ساتھ لگی بیٹھی تھیں

"ملا کوئی کنکر پتھر آج بھی کہ نہیں؟"

پودینہ پیستی تاجی طنزیہ مسکراہٹ سے بولی تو اس نے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اپنا کندھے پر لٹکائے جانے والا تھیلا دیوار کے ساتھ رکھا اور اس میں سے ٹکیاں نکال کر کانپتے ہاتھوں سے تاجی کے آگے کردیں تو وہ ناسمجھی کی کیفیت میں جانی کا منہ دیکھنے لگی۔ دوسروں کی کیفیت بھی کم و بیش ایسی ہی تھی۔

"باجی......" رانی نے پینو کو کہنی مار کر آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹکیا مانگی۔

"اوں ہوں۔" پینو نے ناک چڑھاتے ہوئے رانی کو منع کیا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" تاجی نے ٹکیا ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا تو دوسرے بہن بھائیوں سے نظریں چراتے ہوئے اس نے مختصراً تمام روداد ماں کے گوش گزار کردی۔ جانی کی توقع کے برعکس وہ پودینہ چھوڑ کر فوراً اس سے لپٹ گئی اور جانے کتنے ہی عرصہ بعد اس کے ماتھے پر اپنا بھرپور بوسہ دیا کہ سالوں بعد ہی سہی مگر جانی کی روح سیراب ہوگئی۔

پینو نے انتہائی کرب سے جانی کو دیکھا جو ماں کا والہانہ پیار پاکر لمحے بھر میں کھل سا گیا تھا' چند ثانیے پہلے چہرے پر چھائی پژمردگی' تھکن' اداسی ایک ہی پل میں اڑن چھو ہوگئی تھی۔

"آج میرا جانی بیٹا جوان ہوگیا ہے۔" خوشی تاجی کے سیاہی مائل ہونٹوں سے بے قابو ہوکر اب اس کے پچکے ہوئے رخساروں پر پھیلنے لگی تھی اور خود جانی اسے تو یاد بھی نہ تھا کہ آج سے پہلے کبھی اسے ماں کی طرف سے اتنا پیار ملا ہو۔"

محنت کی کمائی کا مذاق اڑایا گیا تھا اور بس......

پینو کو حکم دینے کے بجائے تاجی نے قیمے کی ٹکیاں ایک طرف رکھیں اور خود اٹھ کر گھڑونچی سے سلور کے گلاس میں پانی لاکر اسے دینے کے بعد بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرنے لگی اور جانی جو چوری کی ٹکیا گھر لانے پر انتہائی خوف زدہ تھا اس غیر متوقع عمل پر حیران سا کبھی ماں کو دیکھتا اور کبھی باقی سب کو۔ جو ماں کی اس کایا پلٹ پر آنکھیں پھاڑے یہ سب دیکھے جارہے تھے پینو سے البتہ وہ نظریں چرانے پر مجبور تھا۔

"تُو بیٹھ میں فیکے کو بلا کر لاتی ہوں' بڑی فکر کرتا ہے وہ تیری' شکر ہے اب تو سیانا ہوگیا ہے تو وہ بھی سکھ کا سانس لے گا۔" وہ اس خوشی میں فیکے کو بھی شریک کرنا چاہتی تھی اس لیے فوراً اٹھ کر اسے بلانے چل دی تو پینو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"اگر تُو نے چوری چکاری ہی کرنی تھی تو پھر اس سے بہتر تھا فقیر بن جاتا ہماری طرح کم از کم لوگ دیتے تو مرضی سے ہیں ناں۔" بھائی کے اس نئے روپ نے پینو کو بُری طرح دھچکا لگایا تھا' ایک نظر چھوٹے دونوں بھائیوں کو ٹکیوں کی نگرانی کرتے دیکھ کر اس نے ان کی طرف کمر کرلی تھی۔ جواب میں جانی کی وہی ایک چپ تھی' آخر کہتا بھی تو کیا۔

"میں دل میں خوشی تھی کہ میرا بھائی محنت مزدوری کرتا

ہے روٹی ہی تو تھی ناں جو ہم دونوں آدھی آدھی کھا لیتے تھے پھر یہ...... یہ دو روٹیاں کھانے کی خواہش کب جاگی تیرے اندر؟" وہ روہی تھی بے آواز۔

تھی تو وہ جانی سے چھوٹی لیکن اس گھر میں سب ایک دوسرے کو اپنا ہم عمر ہی خیال کرتے۔

"مم...... مم...... میں نے تو صرف اماں اور ابا کو خوش کرنے کی خاطر یہ قدم اٹھایا ورنہ......" وہ شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن فیکے نے آتے ہی دونوں بازو وا کرکے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"واہ بھئی واہ...... اب لگیں گی دیہاڑیاں۔" فیکے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو چند لمحے خاموش رہ کر حیرت سے اسے دیکھنے کے بعد آخر جانی نے تائید کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁
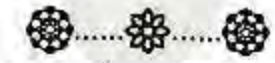
بابر کے زخم تقریباً مندمل ہوچکے تھے البتہ بازو دو مرتبہ ہڈی جوڑ سے چڑھوانے کے باوجود ٹھیک نہیں ہو پا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے اس قدر بے دردی سے مارا تھا کہ ہڈی ہی ٹوٹ گئی تھی اور پھر گھر میں بھی چار روز سے فاقے ہو رہے تھے۔ نبیلہ نے آخرکار تلاش معاش کے سلسلے میں خود گھر سے باہر نکلنے کا سوچا تھا اور مختلف بنگلوں میں اطلاعی گھنٹی بجا کر ان سے اپنا مدعا بیان کیا لیکن حالات کے باعث بغیر ضمانت کے کوئی بھی کام کاج کروانے کو راضی نہ ہوا تو وہ تقریباً خود کو گھسیٹتے ہوئے واپس جانے لگیں۔ خالی پیٹ، چلچلاتی دھوپ اور کام نہ ملنے پر اندھیرا آنکھوں کے سامنے پھیلنے لگا تھا وہ خود کو لاکھ سنبھالنے کے کسی کی دور سے آتی گاڑی کو نیم وا آنکھوں سے دیکھتی وہیں ڈھیر ہوگئی۔

❁......❁......❁
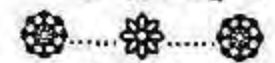
متوازن رفتار سے چلتے چلتے بعض اوقات زندگی یوں رستہ بدلتی ہے کہ خود چلنے والا حیران ہوکر رہ جاتا ہے، کچھ یہی معاملہ جانی کے ساتھ ہوا تھا، کچرا چننے والا تھیلا کہاں رکھا ہے؟ اردگرد کے باسی عموماً کس وقت کچرا پھینکتے ہیں؟ اب اسے ان تمام فکروں سے کوئی غرض نہ تھی کیونکہ اس کی زندگی کی ٹرین غیر محسوس طریقے سے پٹڑی بدل کر اب سابقہ منزل کے برعکس مخالف سمت کی جانب رواں دواں تھی۔ چند ہی دنوں میں اس کے جسم پر ملگجے شلوار قمیص کی جگہ لنڈے کی پتلون اور شرٹ نظر آنے لگی تھی کہ اس نئے کام میں حلیے کا بڑا دخل تھا۔ سابقہ حلیے میں لوگ اسے دیکھتے ہی دھتکار دیا کرتے تھے مگر اب صورتِ حال مختلف تھی اور اب اس کے ساتھ بھی اٹھائی گیرے یا بھیک منگے کے بجائے عام شہریوں کا سا رویہ روا رکھا جاتا۔

چھوٹی موٹی چیزیں چوری کرتے وقت جو تپش اس کے جسم میں خون کے ساتھ دوڑا کرتی اس کا مزہ جانی کو اس کام میں بھرپور متحرک بنا جاتا۔ گو وہ چند ایک بار مار بھی کھا چکا تھا لیکن اب اسے ان چیزوں کی کوئی پروا نہ تھی البتہ چوری شدہ مال بیچنے کی نوبت آتی تو اسی کے استاد کے پاس جا کر بلاجھجک دام کھرے کر لیتا جس کے پاس پہلے کبھی شیشہ، پلاسٹک یا ربڑ وغیرہ بیچا کرتا تھا۔

وقت سبک رفتاری سے رواں دواں تھا جب انہیں پتا چلا کہ قریب ہی موجود ایک مزار پر سالانہ عرس کی تقریبات شروع ہونے والی ہیں تو طے یہ پایا کہ فیکا دونوں چھوٹے بیٹوں کے ساتھ تین دن تک وہیں قیام کرے گا کہ اس طرح کے مواقع گداگروں کے لیے عید کا پیغام ہوتے ہیں البتہ رانی چونکہ بخار میں پھنک رہی تھی اس لیے سوچا یہ گیا کہ زیادہ بیمار ہوجانے کی صورت میں کیے جانے والے خرچے سے بہتر ہے کہ وہ تینوں گھر پر رہیں تاکہ ناجی گڈی کے ساتھ کام پر چلی بھی جائے تو رانی کے پاس پپو موجود رہے۔

❁......❁......❁

"میں کہاں ہوں اور یہ گھر......" ہوش میں آتے ہی نبیلہ نے آنکھیں کھولیں اور نظر چھت پر لگے آرائشی فانوس پر پڑی تو کنپٹیوں پر زور ڈال کر اٹھ بیٹھیں۔

"تم بے ہوش ہوکر کوٹھی کے سامنے گرگئی تھیں اتنے میں فروا بی بی کی گاڑی آئی تو وہ تمہیں اندر لے آئیں اور ڈرپ بھی لگادی۔" وہ شاید اس گھر کی ملازمہ تھی جس نے بنیادی تفصیل بتا کر نبیلہ کی فطری حیرت میں کچھ کمی کی۔

"بی بی نے کہا تھا جب تم بہتر محسوس کرو تو ان سے مل لینا۔"

"ہاں ہاں اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" نرم گرم بستر چھوڑ کر پاؤں نیچے رکھے تو دبیز قالین میں پاؤں اندر دھنستے محسوس ہونے لگے۔ کمرے میں ائر کنڈیشنڈ کی ہلکی ہلکی خنکی کے باعث بستر سے نکلتے ہی جیسے کپکپی کا احساس ہوا تھا اور پھر لان کے گھسے ہوئے جوڑے میں ٹھنڈ کا احساس بھی بڑھنے لگا۔

"تمہارے جوتے اُدھر پائیدان پر رکھے ہیں۔" ملازمہ نے اسے یوں کھڑے دیکھا تو اپنے تئیں اس کی مشکل آسان کی۔

نبیلہ نے بڑے میکانکی انداز میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ساتھ رکھے ڈسٹ بن کو دیکھا جس میں ڈرپ کے ساتھ کچھ خالی انجکشنز بھی پڑے تھے ساتھ ہی کہنی کی اگلی طرف معمولی سی چبھن کا بھی احساس ہوا اور اسی دوران وہ ملازمہ کی ہمراہی میں لاؤنج میں آ گئی جہاں چالیس پینتالیس سالہ خاتون بڑے مصروف انداز میں دو کتابوں سے باری باری کچھ دیکھتیں اور پھر ایک صفحے پر لکھتی جا رہی تھیں' صوفے پر ان کے قریب ہی لیپ ٹاپ بھی موجود تھا۔

"بی بی! یہ جاگ گئی ہے۔" ملازمہ نے اس کی توجہ ہاجرہ کی طرف مبذول کروائی جو ہونق بنی اس کے دائیں طرف کھڑی تھی۔

"اچھا..... آؤ آؤ بیٹھو۔" فوراً کتابیں بند کرتے ہوئے فروا نے کہا تو نبیلہ چند لمحے تذبذب کا شکار رہنے کے بعد آخر مخملیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"میں نے تمہیں باہر سے اٹھایا تھا لیکن پھر بھی میں ضرور جاننا چاہتی ہوں کہ خودکشی کی اس کوشش کے پس پشت ایسے کون سے عوامل اور لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں اس فعل قبیح پر مجبور کیا۔" فروا نے اندازے سے سوال کیا تھا لیکن جواب میں نبیلہ کی زبانی تمام ماجرا سن کر اپنی رائے بدلنی پڑی۔

"اوہ..... وری سیڈ۔" ہاتھ میں لیے پین کا پچھلا حصہ دانتوں تلے دباتے ہوئے انہوں نے کچھ سوچا۔

"ایسا کرو اسے ایک ہزار روپے اور دو تین جوڑے کپڑوں کے دے دو اور جانے سے پہلے کھانا بھی کھلا دینا۔" کتابیں کھولتے ہوئے انہوں نے ملازمہ کو ہدایت کی جو یقیناً ان کی معتمدِ خاص تھی۔

"معاف کیجیے گا بی بی! مگر میں خیرات نہیں لیتی لیکن ہاں آپ کا یہ احسان یقیناً مجھ پر رہے گا کہ آپ نے میری مدد کی اور ان شاء اللہ آپ کو اس کا اجر ضرور ملے گا۔" نبیلہ کسی طور اپنی خودداری کو ٹھیس لگنے نہیں دینا چاہتی تھیں۔

"کیا.....؟" کتابیں کھولتے ہاتھ وہیں رک گئے تھے۔

"بی بی! بغیر محنت کے دام وصول کرنا جبکہ میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ میں حرام سمجھتی ہوں۔"

"ہوں.....؟" پُرخیال نظریں نبیلہ کے چہرے پر ٹک گئی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے تم کل سے کام پہ آ جانا اور اپنی بیٹی کو بھی لے آنا وہ رومی بابا کو سنبھال لے گی اور تم گھر کا کام کاج دیکھ لینا' کھانا بھی ملے گا اور تنخواہ بھی اور ہاں اپنے بیٹے کو بھی کہنا کہ سرکاری اسپتال میں' میں چار سے چھ بجے تک بیٹھتی ہوں' پرچی لے کر آ جائے تو میں اسے ہڈی والے ڈاکٹر کے پاس بھیج دوں گی۔" فروا نے دو منٹ میں سارے مسائل گویا سلجھا کے رکھ دیئے تھے۔

نبیلہ نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا اور کل آنے کا وقت پوچھ کر ہواؤں کے سنگ زینب اور بابر تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔

❀......❀......❀

کتنے ہی عرصے بعد پینو آج گھر پر موجود تھی رانی سوئی ہوئی تھی اور بستی کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب اپنے اپنے کاموں پر جا چکے ہیں۔ گھر سے باہر نکلنے کی اسے اجازت نہیں تھی ورنہ باہر گھوم پھر کر وقت پاس کر لیتی لیکن تا جی نے اسے نہ تو کبھی دوسری لڑکیوں کے ساتھ گھلنے ملنے دیا تھا اور نہ ہی اکیلے باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ صبح سے شام تک تا جی اور فیکے کے ساتھ بھیک مانگتی اور شام کو گھر آ کر چھوٹی بہنوں کو سنبھالتی۔ باہر کی دنیا سے اسے کوئی واسطہ یا تعلق نہ تھا۔

وہ تا جی جو فیکے کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوئے پینو کی موجودگی میں کوئی احتیاط یا لحاظ روا نہ رکھتی اسے دوسری لڑکیوں سے صرف اس لیے ملنے جلنے نہ دیتی کہ ان کا ماحول تا جی کی نظر میں ٹھیک نہ تھا۔

کافی دیر یونہی گھر میں بور ہونے کے بعد آخر وہ مختلف طریقوں سے خود ہی رانی کو جگانے کی کوشش کرنے لگی مگر بے سود.....! جسم بخار کی حدت سے دہک رہا تھا اور پیلی رنگت مزید سرسوں کا پھول بن گئی تھی' تھی تو پینو بھی بچی ہی مگر پھر بھی ذہن نے اتنا کام ضرور کیا کہ اسے کندھے پر ڈال کر حفیظ کی دکان پر جا پہنچی یوں تو وہ اپنی ہی بستی کے راستوں سے کوئی خاص واقف نہ تھی مگر یہ دکان چونکہ ان کے معمول کے رستے میں آتی تھی اس لیے سیدھی وہیں چلی آئی اور پہلی دفعہ دکان کو اندر سے دیکھ کر مزید حیران رہ گئی۔

روزمرہ کے سودا سلف کے علاوہ محدود تعداد میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس' مختلف ادویات' دہی کی خالی پراتیں اور دودھ کے دھلے دھلائے ڈرم بھی رکھے تھے جن میں شام کو نزدیکی گاؤں سے آنے والے گوالے سے دودھ لے کر ڈالا جاتا تھا۔

حفیظ سر جھکائے دکان پر ختم ہونے والے سودے کی لسٹ بنا رہا تھا جب پینو ہانپتی ہوئی رانی کو اٹھائے اندر داخل ہوئی آہٹ پر اس نے چونک کر پہلے تو اس کی طرف دیکھا پھر سانولے سلونے چہرے پر نظریں جمائے پین اور کاپی سائیڈ پر رکھ کر کھڑا ہو گیا جبکہ پینو اس کے یوں گھورنے پر ایک دم گھبرا سی گئی تھی جب ہی فوراً رانی کی کمر پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرتے ہوئے اپنی آمد کی وضاحت کرنے لگی۔

"بخار ہو گیا ہے اسے' پتا نہیں کیوں اب تو..... اب تو آنکھیں بھی نہیں کھول رہی۔ میں آئی تھی کہ اگر کوئی دوا ہو تو....." اس کے دیکھنے کے انداز سے پینو کی زبان گوشت کے لوتھڑے کے بجائے برف کے ٹکڑے میں بدل رہی تھی' جب ہی الفاظ کی ادائیگی جتنی مشکل اسے آج لگی پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی ورنہ وہ تو پینٹ کوٹ پہنے بابوؤں سے بھی ہاتھ پھیلا کر یوں مانگتی کہ انہیں بھی جان چھڑانے کے لیے کچھ دیتے ہی بنتی لیکن آج گھٹنوں سے بھی اوپر گہری فیروزی قمیص اور ڈیڑھ بالشت پائنچوں کی شلوار میں ملبوس حفیظ کے سامنے وہ تو ہکلا ہی گئی تھی۔

"آنکھیں تو میرا خیال ہے تیری بھی ابھی نہیں کھلیں۔" دراز میں رکھی پلاسٹک کی پڑیا سے ربڑ ہٹا کر اس نے انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کی مدد سے چٹکی میں نسوار بھری اور نچلے ہونٹ اور مسوڑھوں کے درمیان بھر کر کاؤنٹر چھوڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تو وہ اس کے دور ہونے کے باوجود بدک کر مزید پیچھے ہٹ گئی۔

"وہ میں تو رانی......"

دھان پان سی پینو اتنی دیر سے رانی کا بے حس و حرکت وجود اٹھائے شل ہو رہی تھی۔

"ہاں پگلی! میں بھی تو اس کی ہی آنکھیں کھولوں گا ناں' تو پتا نہیں کیا سمجھ رہی ہے۔" مسکراتے ہوئے حفیظ نے اس کے قریب آ کر دائیں طرف سے تین فٹ کا لکڑی کا ڈبہ اٹھایا تو عطر کی تیز خوشبو پینو کے اردگرد پھیل گئی۔ وہیں پر موجود لکڑی کے چھوٹے سے بنچ پر ڈبا کھول کر اس نے پہلے سفید رنگ کے پاؤڈر کو پانی میں حل کر کے محلول کی شکل دی اور پھر چنے کی دال کے برابر ہلکی گلابی سی گولی پاؤڈر بنا کر اس میں دو قطرے پانی ڈالا اور رانی کے تالو سے چٹا دی۔

پینو جو کہ کچھ دیر پہلے تک ہراساں تھی اب بڑی دلچسپی سے یہ سارا عمل دیکھ رہی تھی' دوا کے اندر جاتے ہی رانی نے رونا شروع کیا تو حفیظ نے بڑی سرعت سے یکے بعد دیگرے دو چمچ سیرپ اس کے حلق میں انڈیل دیا جو کہ یقیناً میٹھا تھا۔ اسی لیے گولی کے برعکس سیرپ منہ میں جانے پر رانی کے رونے کی رفتار میں وہ تیزی نہیں رہی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اسے چپ کروانے کی غرض سے بڑے پیار سے پینو کی گود سے لیا اور کندھے سے لگا کر بہلانے لگا۔

اس دوران پینو دکان میں موجود مختلف فلموں کے چسپاں پوسٹرز کا جائزہ لینے لگی تو حفیظ نے کاؤنٹر میں موجود دراز سے نسوار کی پڑیا کے ساتھ رکھی افیم کی معمولی مقدار روتی ہوئی رانی

کے منہ میں ڈال دی وہ چونکہ ویسے روزمرہ کی روٹین میں بھی افیم کھا کر سونے کی عادی تھی سو چند ہی لمحوں میں خاموش ہو کر سوگئی۔ حفیظ نے آہستگی سے اسے دیوار کے ساتھ لگی چارپائی پر لیٹا دیا جس کی ٹوٹی ہوئی رسیاں بوڑھے برگد کی شاخوں کی طرح زمین کو چھو رہی تھیں' پینو نے رانی کو سکون سے سوتے دیکھا تو اطمینان بھرا سانس لیا۔

"کتنے پیسے ہیں دوا کے؟" پینو نے دوپٹے کے کونے سے بندھی گرہ کھول کر اس میں موجود معمولی ریزگاری نکالنا چاہی لیکن حفیظ نے اس کی ہرنی سی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پینو کو پل بھر میں تمام جسم میں شرارے سے جلتے محسوس ہونے لگے تھے۔

"پیسے تو تجھے میں دوں گا۔" دائیں کندھے پر رکھے سفید رومال سے چہرہ صاف کرکے ایک طرف اچھالتے ہوئے وہ ذومعنی انداز میں مسکرایا تھا۔

"تو دے گا؟" پینو نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"لیکن کیوں؟" کچھ سمجھ اور ناسمجھی کی کیفیت کا شکار ہوتی پینو نے غائب دماغی سے پوچھا' ذہن کے پردے میں ورق لگی برفی کھلاتے فیکے کا چہرہ جھلملایا تھا۔ جواب دینے کے بجائے اس کے بھاری ہاتھ کا بڑھتا دباؤ اور آنکھوں میں ہلکورے لیتا سوال کچی عمر کی زرخیز زمین پر پہلی بارش بن کر ابھرا تو حفیظ کی طرف سے کی گئی چند ہی چکنی چپڑی باتوں کے جواب میں پینو نے بھی خود کو تصور میں چمکتی کئی چاندنی راتوں کے مسافر بنے ناجی اور فیکے کے ساتھ شریکِ سفر سمجھ لیا۔

جبکہ حقیقتاً اس وقت کی تپتی جھلستی سنسان دوپہر میں ننھی معصوم چڑیا نے بس یوں ہی پریشان ہو کر اپنے بچوں پر پَر پھیلا کر انہیں خود سے قریب کرلیا اور اس روز جب وہ اپنی عمر کا اہم ترین دور گزار کر واپس جانے لگی تب بھی اس کے دل میں کسی قسم کی پشیمانی تھی ملامت اور نہ ہی ندامت اور آخر اس طرح کے جذبات ہوتے بھی تو کیوں؟ کہ یہ سب تو اس کے نزدیک قابلِ گرفت تھا ہی نہیں' ہاں البتہ ایک احساس ضرور تھا کہ وہ آج خود کمائی کر لائی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ جس دلدل میں وہ پاؤں رکھ آئی ہے وہ نہایت بدبودار ہے اور وہاں سے واپسی نہایت مشکل۔

وہ تو بس یہ جانتی تھی کہ کچھ بھی ایسا انہونا نہیں ہوا تھا کہ یہ سب کچھ تو وہ دیکھتی آرہی تھی اور دوسرے تمام بچوں کی طرح وہ بھی اپنے اماں ابا کے کیے گئے ہر کام کو درست ہی خیال کرتی تھی' جب ہی بہت سے تعلقات' رشتے اور اعمال اگر جائز ہونے اور حلال ہونے کے باوجود پردے کے متقاضی ہوا کرتے ہیں تو اس فعل کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

"ابا نے تو اماں کو کبھی پیسے نہیں دیے بلکہ ساری دیہاڑی بھی لے لیتا ہے اور حفیظ کتنا اچھا ہے اس نے تو مجھے پیسے بھی دیے۔ رانی کا علاج بھی کیا اور ستر روپے کلو ملنے والا دودھ بھی مفت میں دے دیا تاکہ رانی جلدی سے ٹھیک ہوسکے۔" گھر کی گلی مڑتے ہوئے اس نے سوچا۔

ستم تو یہ تھا کہ اسے اس بات کا احساس تک نہیں ہو پارہا تھا کہ وہ کچھ غلط کر چکی ہے بلکہ وہ تو اسی لٹیرے کو اپنا محسن بھی مان چکی تھی جو اس کی متاع چند نوٹوں کے عوض مٹی میں رول گیا تھا۔ کندھے پر کسمساتی رانی نے سوتے میں کچھ کہا تو پینو نے اپنی رفتار تیز کردی کہ رانی کا بخار کم ہونے اور خود کما کر لانے کی خبر سنا کر وہ جلد از جلد ناجی کی آنکھوں میں اترتے ڈھیر سارے جگنو دیکھنا چاہتی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

جب سے نبیلہ نے نوکری شروع کی تھی گھر میں سکون کی لہر دوڑ گئی تھی' ان کے بتائے ہوئے ٹائم کے مطابق وہ اور زینب بنگلے پر آجاتیں' زینب کا کام ننھے رومی کو سنبھالنا تھا جبکہ دوسرا کام نبیلہ اور دوسری ملازمہ مل جل کر بڑے احسن طریقے سے نمٹا لیتیں۔ بابر کا بازو بھی ہڈیوں کے ماہر ڈاکٹر کی زیرنگرانی ہونے والے علاج کے باعث اب بہتر تھا لیکن پھر بھی نبیلہ نے اسے مزید چند روز گھر میں ہی رہنے کا کہا تھا کہ ٹھیکیدار کے بندے اب تک اسے ڈھونڈ رہے تھے کیونکہ ان کے خیال میں اسے غلطی کے برابر سزا نہیں مل پائی تھی اور اگر



اس کا ٹھیک ٹھاک انتظام نہ کیا گیا تو کوئی بعید نہیں کہ بھٹے کے دوسرے ملازم بھی ٹھیکیدار کے آگے زبان کھولیں۔

آج فروا کے شوہر تین ہفتوں بعد دبئی سے واپس آرہے تھے اس لیے کھانے میں خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا فروا بھی اپنے روٹین کے ٹائم سے پہلے گھر میں موجود تھیں اور بڑی بے چینی سے انتظار کرنے کے ساتھ یوں ہدایات دے رہی تھیں گویا گھر میں ایک نہیں دس لوگ آرہے ہیں۔ خدا خدا کرکے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ڈرائیور کے دیے گئے ہارن کے ساتھ ہی فروا اپنی ساڑھی سنبھالے باہر نکل کر استقبال کرنے لگیں تو بوا نے گھبرائی ہوئی آواز میں نبیلہ کو مخاطب کیا۔

"فراز صاحب کے سامنے کسی قسم کی کوئی ایسی بات نہ کردینا جو انہیں بُری لگ جائے۔"

"میں سمجھی نہیں بوا!" بوا کی سرگوشی اور بوکھلاہٹ سے نبیلہ نے مزید گھبرا کر زینب کی طرف دیکھا جو رومی کے ساتھ کھیلتے ہوئے بھی ان کی طرف متوجہ تھی۔

"سمجھ جاؤ گی اور اگر نہ سمجھیں تو موقع دیکھ کر خود تمہیں سمجھا دوں گی۔" ان کی بات کے ختم ہوتے ہی فروا اور فراز ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اندر داخل ہوئے تو نبیلہ اور زینب ٹھٹک کر رہ گئیں۔

"کہاں چالیس پینتالیس سالہ ڈاکٹر فروا اور کہاں وہ بیس پچیس سالہ لڑکا۔" نظریں ان سے ہوتی ہوئی ایک دم بوا سے جاملیں تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلام کرنے کا اشارہ کرڈالا۔

"السلام علیکم صاحب!" زینب اور نبیلہ کے سلام کرنے پر وہ جو پہلے ہی رومی کو پیار کرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا فروا کی طرف رخ موڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"انہیں میں نے کام کے لیے رکھا ہے' ہیں تو غریب مگر بلا کی خودداری ہے اور اسی چیز نے مجھے بے حد اپیل کیا۔" بوا کی لائی گئی ٹرالی سے فریش جوس گلاس میں منتقل کرتے ہوئے فروا نے جواب دیا اور چھوٹے چھوٹے قدم لے کر فراز کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"اوہ گریٹ!" سلام کا جواب دینے کے تکلف کیے بغیر اس نے ہونٹ سکیڑے اور گہری نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"بوا! آپ کھانے کا انتظام کریں تب تک صاحب بھی فریش ہوجائیں گے۔" فروا نے فراز کے ساتھ بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو بوا اور نبیلہ اثبات میں سر ہلاتی کچن کی طرف اور زینب رومی کو لیے اس کے کھلونوں سے بھرے پلے روم کی جانب چل دی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

شام کو وقتِ مقررہ پر ناجی نے آکر گڈی کو گود سے اتارا' کپڑے کا تھیلا چارپائی پر رکھا' نائلون کی پیلی تار پر ٹنگے کپڑے اتار کر قدرے بہتر حالت والے کپڑے پہنے' زنگ لگی بالٹی میں جمع شدہ گدلے پانی کے محدود استعمال سے ہاتھ منہ دھویا اور چارپائی پر آبیٹھی۔

"جانی ابھی تک نہیں آیا ناں آج۔" محض بات کرنے کی غرض سے پینو نے تمہید کے طور پر آغاز کیا۔

"ہاں' کہہ رہا تھا دوپہر کے بجائے شام ڈھلے آئے گا دھندہ زیادہ زور پکڑتا ہے اس لیے شاید دیر سے آئے۔" فیکے کے بغیر آج وہ پیدل گئی تھی اور پہلے تو چونکہ وہ سارا دن ریڑھی میں بیٹھ کر مانگنے کی عادی تھی' اسی لیے آج بے حد تھک گئی تھی سونڈھال سی جیسے آکر بیٹھی تھی وہیں آڑھی ترچھی ہو کر لیٹ گئی۔

"ہائے ہائے' آج تو بڑا ہی مشکل دن گزرا ہے فیکے کے بغیر' اوپر سے مرد ساتھ نہ ہو تو پولیس والے بھی اپنا ریٹ بڑھا دیتے ہیں اور اگر بولو کہ دیہاڑی نہیں لگی تو بھی ہماری محنت پر یوں ہاتھ صاف کر جاتے ہیں جیسے ان کے باپ کا مال ہو۔" پولیس والوں کو گالیوں سے نوازتی ناجی چت لیٹی پتا نہیں آسمان سے محو کلام تھی یا پینو سے اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

اور حقیقتاً وہ کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی تھی کیونکہ صبح وہ جس حال میں رانی کو چھوڑ کر گئی تھی اس پر پینو کا خیال تھا کہ ناجی جانے کیسے دن تو گزار لے گی مگر شام کو گھر آتے ہی سب

نے پہلے رانی کو اٹھائے گی' پیار کرے گی اس کا حال پوچھ کر شاید دوا دارو کا انتظام تو نہیں مگر فکر ضرور کرے گی لیکن......

یہاں تو ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ نہ تو رانی کا حال پوچھا گیا اور نہ ہی دوا دارو کی کوئی بات ہوئی بلکہ خود اس نے پینو کو رانی کو گود سے نکال کر اپنی ٹانگیں دبانے کو کہا کیونکہ اسے تو شاید ابھی تک یاد بھی نہیں رہا تھا کہ صبح رانی بخار میں تپ رہی تھی۔

"اماں کو تو بس ابا کی فکر لگی ہوئی ہے جو بھلا چنگا ہے اور میلی (عرس) میں گیا ہوا ہے اور یہ رانی جو موت کے منہ سے نکل کر آئی ہے اس کا تو حال تک بھی نہیں پوچھا' وہ حفیظ ہی تھا جس نے اسے اپنا سمجھ کر اس کا علاج کیا اور وہ بھی مفت۔" ناجی کی ٹانگیں دباتے ہوئے پینو نے رانی کو دیکھتے ہوئے سوچا جو ماں کے آنے کے بعد کچھ کھانے کی منتظر پہلے سے سلور کا کٹورا ہاتھ میں لیے نقاہت کے باعث فرش پر دراز ہوچکی تھی جبکہ گڈی' طاقو اور نوشے کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

"دن تو چلو آج گزر ہی گیا فیکے بغیر' مگر رات کیسے کٹے گی؟" بایاں بازو سر کے نیچے رکھ کر لیٹی کسی سوچ میں گم ناجی نے کہا تو کئی چاندنی راتیں چھن سے پینو کے من آنگن میں رقص کرنے لگیں۔

فیکے اور جانی کی غیر موجودگی میں جوان ہوتی بیٹی کے ہمراہ رات گزارنا ناجی کو مشکل لگ رہا تھا کیونکہ بھی جانتے تھے کہ فیکا آج کل گھر سے باہر اور جانی بھی اپنے کام کی نوعیت کی وجہ سے اکثر راتوں کو گھر سے غائب رہتا ہے ایسے میں اگر ناجی نے یہ جملہ ادا کیا تھا تو محض غیر محفوظ ہونے کی نیت سے کیونکہ پینو کی جسامت اب اس کی حقیقی عمر کو بڑے دھڑلے سے جھٹلانے پر تلی تھی' اب یہ الگ بات ہے کہ پینو نے یہ جملہ کسی اور ہی طریقے سے سوچا تھا۔

"باجی روٹی دے ناں۔" رانی اور گڈی دونوں ہی ماں سے زیادہ پینو سے مانوس تھیں سو اسی کو پکارا تو پینو سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں ملا آج' جو تھا وہ ریڑھی کا کرایہ ادا کر کے استاد کو دے آئی ہوں مگر کرایہ پھر بھی پورا نہیں بنا۔ ریڑھی بے شک گھر پر تھی مگر کرایہ تو دینا تھا ناں' چل جا سلا دے ان دونوں کو۔" دھیرے سے بات شروع کرنے کے بعد آخر میں اس نے جھڑکتے ہوئے بات ختم کر کے خود دوبارہ کروٹ لے لی تو پینو جو بات کرنے کے لیے راہ ڈھونڈ رہی تھی بددلی سے چھوٹی بہنوں کو بہلانے لگی' ناجی نے دیوار کی طرف کروٹ لیتے ہوئے رانی کو کٹورا پکڑے دیکھا تو سکون کا سانس لیا کہ کم از کم اب اس کی حالت بہتر تھی۔

"چلو اچھا ہے جو پیسے اس کی دوا میں لگتے وہ اب کچھ کھانے میں کام آجائیں گے۔" دکھتی پنڈلیوں اور مسلسل سارا دن معمول کے برعکس چلتے رہنے کے باعث درد کرتے پاؤں پسارے ہوئے اس نے گھر کی خاموشی کو بے طرح محسوس کیا۔

فیکے کے بغیر گھر کتنا سونا لگ رہا تھا' نہ نوشا تھا طاقو نہ ہی جانی...... ململ کے دوپٹے سے اچھی طرح سر باندھنے کے بعد وہ چپ سادھ کر لیٹ گئی تھی۔

رانی اور گڈی کو بہلانا پینو کی ذمہ داری تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ناجی سے کہے کہ "اماں ناشتے کے لیے بے شک پیسے نہ بچا جو ہیں ان کا کچھ لے آ اور ناشتا میرے پیسوں سے کرلیں گے۔"

مگر بعض اوقات صورتِ حال ایسی ہوتی ہے کہ وہی عام سے الفاظ جو ہم کتنی ہی دفعہ عام زندگی میں بولتے اور سنتے رہتے ہیں انہیں ادا کرنا ہمارے لیے اس قدر مشکل ہوجاتا ہے کہ کتنی ہی دفعہ الفاظ ہونٹوں تک آنے کے باوجود مایوس سائل کی طرح پھر سے واپس لوٹ جاتے ہیں اور لفظوں کی اصل طاقت کا اندازہ درحقیقت ہمیں اسی وقت ہوتا ہے جب ہمیں خود اپنے کہے جانے والے لفظوں سے بے طرح خوف محسوس ہوتا ہے۔

پینو بھی آج اسی کشمکش کا شکار تھی مگر ظاہر ہے کب تک؟ آخر بات تو کرنا ہی تھی!

(دوسرا حصہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

وہی ایک لمحہ زیست کا
فاخرہ گل

زوٹھا تو شہر خواب کو غارت بھی کر گیا
پھر مسکرا کے تازہ شرارت بھی کر گیا
محسن یہ دل کہ جس سے بچھڑتا نہ تھا کبھی
آج اس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا

بوا کی زبانی نبیلہ اور زینب کو معلوم ہوا کہ تھا کہ فراز اور فروا کی دوسری شادی ہے انٹرنیٹ پر ہونے والی اس دوستی نے ڈاکٹر فروا کو مجید صاحب سے طلاق لینے پر اکسایا تھا وہ ایک امیر شخص ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی نیک دل انسان بھی تھے۔ انہوں نے ہی فراز کو ہسپتال میں ایک انتظامی اسوری کمیٹی میں تعینات کیا تھا اور وہ خود تو ڈاکٹر فروا کی خواہش پر ایک جدید طرز کے ہسپتال کی تعمیر میں اس قدر مصروف ہوئے کہ پھر ان کے پاس فروا کے لیے ٹائم ہی نہ بچتا۔ اسی بے توجہی نے فروا کو ان سے دور اور فراز سے قریب کردیا۔ اسپتال میں نظروں میں آنے کے خوف سے وہ دونوں موبائل فون یا انٹرنیٹ کا سہارا لیا کرتے اور پھر آخر کار ایک دن دونوں نے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد طلاق لینے کے لیے عدالت سے رجوع کرلیا لیکن مجید صاحب نے عدالتوں کے چکر لگانے کے برعکس خاموشی سے خود انہیں طلاق دے کر نہ صرف بچے بلکہ ہر اس چیز سے دستبردار ہوگئے جو اس دن تک ڈاکٹر فروا کے تصرف میں تھی۔

"اور فراز صاحب کے گھر والے؟" دانتوں تلے انگلی دبا کر سب کچھ سننے کے دوران نبیلہ نے پوچھا۔

"وہ متوسط طبقے کے لوگ تھے مگر اب اچھی گاڑیوں میں گھومتے ہیں نئے گھر میں رہ رہے ہیں اور بھلا انہیں کیا چاہیے؟" بوا نے فراز کے گھر والوں کا ذکر آتے ہی نخوت سے کہا اور پھر موضوع بدل کر بولیں۔

"اللہ فروا بی بی کو سدا سکھی رکھے بس میری تو یہی دعا ہے۔"

"ہاں بوا آمین۔" ڈاکٹر فروا کی خدا ترس فطرت کے باعث نبیلہ کے بھی دل سے ان کے لیے دعا نکلی تھی۔

"اچھا نبیلہ تم ایسا کرو میں سبزی لے آؤں تب تک تم چاول وغیرہ صاف کرلو پھر مل کر کھانے پکالیں گے۔"

نبیلہ اور بوا میں کافی دوستی ہوگئی تھی سو وہ دونوں سارا دن اکٹھے باتیں بھی کرتیں اور کام بھی نمٹاتی جاتیں جبکہ زینب کا کام صرف روئی کو سنبھالنا تھا سو وہ خوشی خوشی روئی کے ساتھ ہی مصروف رہتی۔

اس روز بھی ڈاکٹر فروا ہسپتال جاچکی تھی اور فراز اپنے کمرے میں آرام کررہا تھا جبکہ زینب اسی روم کے ساتھ ملحقہ کمرے میں کھیل ہی کھیل میں روئی کو پڑھا بھی رہی تھی۔

"زینب......" وہ روئی کو گود میں لیے اسٹوری سنا رہی تھی جب بنا آواز کے دروازہ کھلا۔

"جج...... جی صاحب جی۔" اچانک فراز کو سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی تھی کیونکہ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح روئی کے کمرے میں آیا تھا۔

"مجھے اسپتال جانا ہے میرے کپڑے استری کردو مگر ذرا جلدی۔" روئی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے حکم صادر کیا۔

"وہ...... لیکن......" وہ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی ذمہ داری تو صرف روئی اور اس سے متعلق سب کاموں کی ہے لیکن چونکہ اپنے اور اس کے درمیان حائل منصب کی

اونچی دیوار کا اندازہ اسے بہت اچھی طرح سے تھا جبھی چاہنے کے باوجود کچھ بھی کہہ نہ پائی تھی۔

"لیکن ویکن کیا؟ جو میں نے کہہ دیا وہ تمہیں کرنا ہے سمجھیں۔" سخت نظروں سے گھورتے اس نے جملہ مکمل کیا اور زوردار آواز سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں جا گھسا۔ آواز کی شدت سے زینب کا تو دل دہلا ہی خود نبیلہ بُری طرح یوں چونکیں کہ پیاز کاٹتی چھری ان کی انگلی بھی کاٹ گئی۔

"روبی آپ ایسا کرو میرے آنے تک یہ بلا کس بناؤ میں ابھی آتی ہوں۔" زینب نے بلا کس کا ڈبہ روبی کو تھمایا اور خود ڈرتی جھجکتی فراز کے کمرے میں داخل ہوگئی۔

"ادھر آؤ' بیٹھو میرے پاس۔" اس سے پہلے کہ وہ کپڑوں کا پوچھتی فراز نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھانا چاہا لیکن زینب ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئی۔

"میں تو...... آپ... آپ کے کپڑے استری کرنے آئی تھی۔" تمام تر ہمت جمع کر کے زینب نے کہا۔

"لیکن میں نے تو تمہیں کسی اور کام سے بلایا ہے۔" فراز کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا خمار زینب کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا لیکن وہ ہمت نہیں ہاری تھی۔

"صاحب جی! ہم غریب ضرور ہیں مگر عزت اور خودداری ابھی ہم میں زندہ ہے آپ نے جیسا مجھے سمجھا میں ویسی ہرگز نہیں ہوں۔" اپنی بات ختم کر کے وہ جانے کے لیے مڑی لیکن فراز نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی جو تھامی تو وہ کسمسا کر رہ گئی۔

"خدا کا واسطہ ہے مجھ پر رحم کریں میں......" بے بسی اور تذلیل کے احساس سے اس کے رخسار بھیگنے لگے تھے۔

"تم جتنے روپے یہاں ایک ماہ کام کر کے لوگی اتنے تو میں تمہیں ایک دن کے ادا کر سکتا ہوں پھر تم......" اچانک دروازہ کھلنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کہ ہاتھ میں پیاز کاٹنے کی چھری لیے کسی خدشے کے تحت نبیلہ لال ہوتی آنکھوں کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھی مگر فراز نہ تو گھبرایا اور نہ ہی بوکھلایا۔

"آؤ آؤ' تم بھی شامل ہو جاؤ اس بولی میں' بولو کتنے لوگی اس کے؟" فراز نے زینب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبیلہ سے پوچھا۔ زینب کی کلائی بدستور اس کے ہاتھ میں تھی۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں اپنی حیثیت دیکھو اور اپنے کام......" نبیلہ کی بات پر فراز کا تو جیسے قہقہہ ابل پڑا۔

"میں کہتی ہوں چھوڑ دو میری بچی کو ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" نبیلہ کی دہاڑ سے خود زینب نے سہم کر ماں کو دیکھا کہ یہ روپ اس کے لیے مکمل طور پر نیا ہی تو تھا۔

"بس بس ٹھیک ہے دام بڑھانے کے لیے زیادہ ڈرامہ بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے سیدھی طرح بول کتنے میں معاملہ طے کرے گی؟" فراز بڑی بے خوفی سے بات کر رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں چھوڑ دے اسے ورنہ......" ہذیانی کیفیت میں چیختی نبیلہ کی آواز کمرے کی تمام دیواروں سے ٹکرائی تو طنزیہ انداز میں فراز نے زینب کو ایک جھٹکے سے خود سے نزدیک کر لیا۔

"ورنہ کیا...... کیا کرے گی تو...... ہاں کیا کرلے گی؟" مگر نبیلہ نے اس وقت آؤ دیکھا نہ تاؤ' ہاتھ میں پکڑی چھری لے کر اس پر پل پڑیں مگر فراز ان سے زیادہ پھرتیلا اور یقیناً اس حملے کے لیے تیار تھا جبھی چھری والا ہاتھ بڑی چابکدستی سے یوں موڑا کہ وہ خود نبیلہ کے پیٹ کو لہولہان کر گیا جبکہ دوسرا وار فراز نے دانستہ سینے پر کیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔

اس تمام واقعے کے بعد وہ رکا نہیں اور آہ و بکا کرتی زینب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے فوراً سے پیشتر پولیس اسٹیشن کا نمبر ڈائل کرنے لگا اور خلاف توقع پولیس چند ہی منٹوں میں ان کے گھر پر موجود تھی۔

حواس باختہ ہوا نبیلہ کے پاس ہی تھیں جبکہ زینب ذر

خوف' صدمے اور فراز کی دھمکیوں کے باعث وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ مقصود وہاں سے فرار کے بجائے موقع پر بابر کو لے کر آ تا تھا تاکہ ماں کی میت کو گھر لے جایا جاسکے جو بروقت طبی امداد نہ ملنے اور خون کے زیادہ بہہ جانے کے باعث موقع پر ہلاک ہوگئی تھیں۔

بیٹی کی عزت بچاتے بچاتے وہ خود مٹی کی چادر اوڑھے سوگئی تھیں۔ فراز نے موقف یہ اختیار کیا تھا کہ ان دونوں ماں بیٹی نے چاقو کے زور پر اسے چیک سائن کرنے کو کہا لیکن ہونے والی تکرار کے نتیجے میں جب نبیلہ نے چاقو سے اس پر وار کرنا چاہا تو اس نے محض اپنے دفاع کے لیے یہ قدم اٹھایا کیونکہ نبیلہ اور اس کی بیٹی کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے جو عورتوں کی مدد سے مختلف طریقے اختیار کر کے گھروں میں اس طرح کی وارداتیں اکثر کیا کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر پولیس کے آنے سے چند ہی لمحے پہلے مشتعل بابر کا گھر میں موجود ہونا تھا اور پھر یہ کہانی تو رسمی طور پر اختیار کی گئی تھی ورنہ وہ یہ قصہ نہ بھی گھڑتا تو بھی وکیل کے تعاون سے اس کی حیثیت انہیں ہر طرح کی سزا دلوانے کو کافی تھی۔ جبھی پولیس ان دونوں کو تو گرفتار کر کے ساتھ لے گئی جبکہ نبیلہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوادی گئی۔

❁......❁......❁

جانی رات کو دیر سے گھر لوٹنے کی وجہ سے ابھی تک سو رہا تھا۔ رات کوشش کے باوجود چنو نانی سے بات نہیں کر پائی تھی سو اب اس کے لائے گئے دودھ سے چائے بنانے کے بعد نانی کو متوجہ کیا۔

"اماں! یہ دیکھ تو ذرا۔" چولہے سے چائے کی دیگچی اتار کر چنو نے جھڑے ہوئے کناروں کی بدرنگ پیالیوں میں چائے ڈالی' ساتھ پاپے رکھے اور نانی کو حیران کرنے کی غرض سے دوپٹے کے کونے سے گل کے بندھے ہوئی نوٹ نکال کر ہتھیلی اس کے سامنے پھیلادی۔

"یہ...... یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟" چائے کی پیالی میں پاپے بھگوتے ہوئے نانی ایک دم حیران رہ گئی تھی چنو نے ماں کو پہلی جان کر مختصراً تمام بات سے آگاہ کردیا۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی نانی کے ہاتھ میں پکڑا رسک زیادہ بھیگ جانے کے باعث ایک دم چائے میں چھپاک سے گرا تو چائے کے چھینٹوں سے ان دونوں کے کپڑوں کے مزید داغ بڑھ گئے۔

نانی کے سیاہی مائل چہرے پر اس کی سفید آنکھیں پھیلیں تو اس حد تک پھیلتی چلی گئیں کہ چنو کو اس سے خوف آنے لگا۔ اس نے چند ثانیے ارد گرد بکھری چائے ساتھ رکھے روپوں اور سامنے بیٹھی چنو کو دیکھا جس کا وجود نہ جانے کب اتنے بھرپور اور سڈول سراپے میں تبدیل ہوا کہ اس کی سارے دن کی خواری' جھڑکیوں اور گالیوں کے بدلے حاصل ہونے والی رقم سے زیادہ وہ ان چند گھنٹوں میں لے آئی تھی۔ ایک عجیب طرح کی میٹھی سی سنسنی کا احساس تھا جو ریڑھ کی ہڈی سے ہوتا ہوا اس کے جسم میں سرایت کر گیا اور بس زیست کا وہی ایک لمحہ تھا جب نانی کو اس بات کا احساس ہوا کہ اس کے بیٹھ کر کھانے کے دن آ گئے ہیں۔ کچھ دیر سوچ کر ایک نکتے پر پہنچنے کے بعد آخر وہ بولی۔

"کیا دوبارہ بھی بلایا ہے؟"

"ہاں آج...... اسی وقت۔" چنو نے مختصر سا جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اور سن...... یہ لے پیسے' ساتھ والے کھوکھے سے کاجل اور سرخی لے کر لگا لینا۔" نانی نے اسے بیس روپے کا ایک نوٹ دیا تو وہ خوش ہوگئی۔

اور ہاں جو پیسے بچیں ان سے بے شک کوئی سونف سپاری لے لینا اور جاتے ہوئے الائچی ضرور پھانکنا۔" نانی نے گہری نظروں سے کچھ سوچتے ہوئے اس کے گال پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس نے خوشی ہو کر ماں کے ہاتھ کو ہی چوم ڈالا۔ وہ نانی جو جوان ہوتی بیٹی کے ساتھ گھر میں رات گزارتے ہوئے گھبرا رہی تھی آج پیسے ہاتھ میں آئے تو خود بخود گر بھی بتانے لگی اس بات سے بے خبر کہ چٹائی پر سویا جانی دھوپ پڑنے کی وجہ

سے چند لمحے پہلے جاگنے کے بعد محض کسلمندی سے لیٹا ہے اوران دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو بڑے ضبط سے بہ خوبی سن رہا تھا جب ہی ان دونوں کے سر پرآ پہنچا۔

"شرم آتی ہے تجھے ماں کہتے ہوئے ماں نہیں تُو اپنے انڈے خود چینے والا سانپ ہے سانپ......" غصے سے جانی کے منہ سے کف بہنے لگا اور یوں بھی اب وہ پہلے والا جانی تو تھا نہیں دھندے کے ساتھ اس کی ذات میں بھی واضح تبدیلی آ ئی تھی۔

"دماغ تو خراب نہیں ہوگیا تیرا۔" ناجی نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"ارے مائیں تو مرجاتی ہیں اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے اور تُو...... تُو خود اسے سکھا رہی ہے کہ زیادہ دام لینے کے لیے اپنے آپ کو کس طرح بیچا جاتا ہے کیوں حرام کاموں میں ڈال رہی ہے اسے۔ پہلے کیا کم حرام ہورہا ہے یہاں؟" ناجی کے اس لالچ نے جانی کو برہم کردیا تھا۔

"ایسا کیا ہوگیا ہے جو جانی اس قدر غصے میں ہے۔" پنو ٹھٹک تو ضرور گئی تھی مگر پھر بھی اچانک صورت حال کی تبدیلی پر ابھی وہ مکمل طور پر سمجھ نہیں پارہی تھی البتہ ناجی اچھی طرح جان گئی تھی کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔

"ہونہہ آیا بڑا غیرت والا ارے حرام اور حلال کی تمیز وہ سکھاتے ہیں جن کے ہاتھ میں حرام سے پیٹ بھرنے والوں کے لیے حلال کا نوالہ ہو اور پھر تو بڑا حلال کا کھاتا ہے جو مجھے سبق دے رہا ہے۔ بول کس بات پر بڑھکیں مار رہا ہے؟" اب کے ناجی نے بات ختم کرتے ہوئے اسے چارپائی کی جانب دھکا دیا۔

"یہ پنو ہوگی نا سمجھ مگر میں کوئی بچہ نہیں ہوں سب جانتا ہوں کہ کیا کروارہی ہے تُو اس سے۔" بات نکلی تو جو ذرا سا لحاظ تھا وہ بھی جاتا رہا۔

"پنو میری بہن! یہ عورت تیری زندگی ایسے تباہ کردے گی کہ تُو کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے گی تُو جیتے جی مرجائے گی اور اپنی زندہ لاش کا بوجھ نہیں اٹھا پائے گی۔" اس تمام عرصے میں وہ پہلی مرتبہ پنو سے مخاطب ہوا تھا جو حواس باختہ سی دونوں کے درمیان ہونے والا یہ مکالمہ سن رہی تھی۔

"بکواس بند کر اپنی......" ناجی نے گالی دیتے ہوئے ربڑ کا جوتا پوری قوت سے جانی کی طرف اچھالا تھا۔

"تُو جو بھی کرے میں اپنے جیتے جی کچھ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" جانی نے کھا جانے والی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"چل دفع ہو پنو! پھینک یہ پیسے اور گھر بیٹھ ٹانگیں توڑ دوں گا تیری اگر ایک قدم بھی باہر نکالا تو۔" جانی کی غراہٹ اس کی عمر سے کہیں بڑھ کر تھی جو ناجی کو چونکنے پر مجبور کرگئی۔ پنو کو بھی اس بات کا احساس بڑی شدت سے ہورہا تھا کہ یقیناً کچھ غلط ہوگیا ہے اور آئندہ بھی ہونے والا ہے۔

"دفع ہوجا یہاں سے نکل جا اور آج کے بعد مجھے شکل نہ دکھانا اپنی ورنہ...... ورنہ ٹانگیں تو تیری میں توڑ دوں گی۔" مسلسل گالیوں سے نوازتے ہوئے ناجی نے کہا تو اس نے ہمدردی کی نظر سے پنو کو دیکھا جس کا رنگ ان دونوں کی بات چیت کے دوران زرد ہوا اور آنکھوں میں بھی پانی بھرنے لگا تھا۔

"مر گیا آج سے میں تم سب کے لیے اور بس......" ہونے والا مکروہ انکشاف اور پھر بجائے شرمندگی ناجی کی ہٹ دھرمی سے جانی کا خون کھول اٹھا تھا سو اس نے فوراً باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے شاید کبھی واپس نہ آنے کے لیے......!

❁......❁......❁

"اچھا چل تو نے نہیں بتانا تو نہ بتا پر یوں افسردہ نہ بیٹھ یار!" بنو نے اکتا کر اسے دیکھا۔

صبح سے رات ہوچلی تھی آج نہ تو اس نے کچھ چرانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی کھانے کی طلب ہوئی۔ دن بھر گٹر کے ڈھکن پر بیٹھا اپنے جیسے ٹولی کے دوسرے لڑکوں کی زندگی پر غور کررہا تھا جنہیں بہرحال اپنی ماں سے محبت

ضرور تھی لیکن اس کے دل میں معاملہ ذرا مختلف تھا جہاں فی الوقت ماں کے لیے ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ دل تھا کہ کسی یتیم بچے کی طرح بلک بلک کر بس روئے ہی چلا جارہا تھا۔

باپ کا رشتہ اگر دنیا سے منہ موڑ بھی جائے تو اولاد کے لیے ماں کی آغوش سدا وا ہی رہتی ہے لیکن حیرت انگیز بات تھی کہ اس کے لیے پہلے بھی ماں کی محبت دیہاڑی سے مشروط تھی اور اب بھی اسے اچھی طرح یاد تھا جب وہ ناجی اور فیکے کے ساتھ بھیک مانگنے جاتا تھا۔ وہ دونوں اسے ہاتھ میں کٹورا پکڑا کر جس بھی علاقے میں بھیجتے وہ بجائے اس کے کہ صدائیں لگا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا بس یونہی گھومتا گھماتا شام کو پھر ان کے پاس جا پہنچتا جہاں ہمیشہ کی طرح ماں باپ کی طرف سے گالیاں اور جھڑکیاں اس کی راہ دیکھ رہی ہوتیں۔

دونوں چھوٹے بھائی البتہ اس ہنر میں طاق تھے چہرے پر مسکینی طاری کرتے ہوئے اس وقت تک راہگیر کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے جب تک کہ وہ کچھ دے نہ دیتا' نتیجتاً ناجی اور فیکے کے پیار اور ستائش کا حق دار ٹھہرے۔ ناجی کا ان کے ساتھ پیار بھرا انداز ہمیشہ اس کے دل میں حسرت بن کر ابھرتا۔

رات کو سوتے ہوئے یہ خواب بھی وہ جاگتی آنکھوں سے بڑی باقاعدگی سے دیکھا کرتا جس میں ناجی اس کے لاڈ کرتے ہوئے کبھی اس کی پیشانی چومتی اور کبھی ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نرم آواز میں باتیں کرتی۔ یہ اس کا ایسا پسندیدہ خواب تھا جسے تصور کی آنکھ سے دیکھتا اکثر وہ سو جایا کرتا مگر پھر بھی نہ تو اسے کبھی سونے میں ایسا کوئی خواب نظر آیا اور نہ ہی کبھی خواب نے حقیقت کا روپ دھارا' ظاہر ہے خواب تو خواب ہوتے ہیں ناں اور پھر جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب جن کی حیثیت اور جن کا وجود قطرہ قطرہ پگھلتی برف سے بڑھ کر ہرگز نہیں ہوتا۔

یوں ہی بیٹھے بیٹھے اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے جانی کو دیکھا جو ہاتھ میں صمد بونڈ کی پیلی ٹیوب پکڑے چلا آرہا تھا انہیں دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا تو جانی کے ساتھ بیٹھے لڑکے اس کے پیچھے سوئے موئے سے پائپوں کے سروں پر جا پہنچے' ہونے جانے سے پہلے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف کھینچ لیا تھا' پائپوں کے سرے پر پہنچتے ہی سب نے جیبوں سے ایک ڈیڑھ فٹ لمبی کپڑے کی پٹیاں نکالیں جو انہوں نے کچرے سے اٹھائی تھیں اور قریب لگے بلدیہ کے نل سے ان پر پانی بہا کر اپنے تئیں صاف بھی کرلیا تھا۔

"لے جگر' آج میری طرف سے...!" جانی نے جیب سے کپڑے کی دو پٹیاں نکال کر ایک جانی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن.....لیکن یہ ہے کیا؟" وہ حیران تھا۔

یہ درست تھا کہ دن کے وقت وہ اکثر ان سے ملتا رہتا تھا کیونکہ وہ پہلے انہی کے ساتھ مل کر کچرہ چنا کرتا تھا لیکن ان سب کے ساتھ رات گزارنے کا یہ تجربہ پہلا تھا اور یہ ٹیوب تو وہ استاد کے کباڑ خانے میں اس کے کاریگروں کو مختلف چیزیں جوڑنے کے لیے استعمال کرتا دیکھتا تھا جب ہی کچھ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں دیکھنے لگا۔

"بس تُو یہ سمجھ لے پیارے کہ جیسے لوگ اپنا غم غلط کرنے کو جام کا چسکا لیتے ہیں تو اپن جیسے لوگ دکھ مٹانے کو یہ طریقہ اپناتے ہیں۔ بس تمہیں دیکھ کر کرتا جا' سارے غم' دکھ' تکلیفیں تُو بس دیکھ فنا کے سے دور۔" غموں کو خیالی طور پر چٹکی بجا کر دور پھینکتے ہوئے اس نے کپڑا جانی کی مٹھی میں دبایا اور دائیں آنکھ بند کرکے ایک دفعہ پھر تلقین کی۔

"لیکن یار یہ چیزیں وغیرہ جوڑنے کے لیے....." وہ بولے بنا رہ نہیں پایا تھا۔

"زیادہ سوال کرنے کا نہیں اے کیا اب الو دوسرا مال مہنگا بھی ملتا ہے اور پولیس کا بھی ڈر رہتا ہے پھر یہ پچاس روپے کی ٹیوب خریدنے پر کسی کو شک بھی نہیں ہوتا ویسے بھی اپن کا دل بھی تو ایک ٹوٹی ہوئی چیز ہی ہے ناں......

کیا بولتا ہے؟'' سب ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے تھے مگر جانی کے لیے فضا ایک دم بوجھل سی ہوگئی تھی کاش ایسا ہوتا کہ ہم اپنے دکھ درد تکالیف اور ادھوری بین کرتی حسرتیں دھوئیں کی طرح فضا میں اڑا سکتے لیکن باوجود اس کے کہ زندگی سلگتے سگریٹ کی طرح لمحہ بہ لمحہ ختم ہورہی ہے پھر بھی ہم اپنے وجود کے اندر راکھ ہوئی حسرتوں کو کاش کے جذدان میں لپیٹے دل کے اعلیٰ ترین مقام پر سجائے رکھتے ہیں۔

رات کا اندھیرا اپنی تمام تر پُراسراریت سمیت ان سب پر حاوی ہورہا تھا پھر ان سب کے اصرار پر ہی جانی نے بھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے کے بوسیدہ سے ٹکڑے کو الف کی شکل دے کر ایک سرے پر صمد بونڈ لگائی اور پھر روٹی کے لیے بنائے گئے پیڑے کی طرح گول کرکے منہ کے سامنے رکھا اور اندر کی طرف سانس کھینچنے لگا۔ شروع کے دنوں میں گو کہ جانی کو کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا مگر حاصل ہونے والا سرور اس سے کہیں زیادہ تھا جب ہی ان سب کی محبت کا اثر قبول کرتے ہوئے اس خوابناک سرزمین پر قدم رکھتا ہی چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

فیکے کو طاقو اور نوشے کے ساتھ عرس پر گئے تیسرا روز تھا اور پروگرام کے مطابق کل دوپہر کو انہیں واپس آجانا تھا۔ دو دن تک چپو خود تاجی کے سمجھانے بجھانے اور اس کے بعد زبردستی بھیجنے پر دکان پر جاتی رہی تھی۔ اس دن جانی اور ماں کے درمیان ہونے والی بحث اسے بہت کچھ سمجھا گئی تھی اسی لیے دوسرے روز جب تاجی نے جان بوجھ کر کام سے چھٹی لی اور وقت مقررہ پر اسے جانے کا یاد دلایا تو اس نے صاف منع کردیا جس پر تاجی نے اسے اپنے مخصوص چڑچڑے انداز میں سمجھانے بجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس کے نہ ماننے پر دھمکیوں پر اتر آئی تو زبردستی آنکھوں سے مال چھپے رہتے کو اپنی پھٹی ہوئی سیاہ ایڑیوں تلے روندتی اس عورت کو دیکھتے ہوئے آخر وہ گھر سے نکل آئی۔

اس دن عرصہ بعد تاجی بڑے آرام اور سکون سے گھر پر رہی تھی مگر پھر بھی تاکید اس نے چپو کو یہ ہی کی تھی کہ حفیظ کے سامنے یہ ہی کہے کہ اس کے آنے کا گھر میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہے نہ صرف یہ بلکہ اس سے پیسے لینے کے بعد تاجی نے اسے دکان سے ایک دو چیزیں بھی لے آنے کو کہا تھا۔ اسی طرح دو دن تک اس کے پاس جانے پر حفیظ آتے ہوئے اس کی مٹھی میں چند نوٹ تھما کر خاموش رہنے اور گھر میں ذکر نہ کرنے کا کہتا۔ پہلے دن چپو کی نادانستگی سے شروع ہونے والا عمل ان دو ہی دنوں میں اسے ذہنی طور پر اپنی عمر سے کئی گنا بڑا کر گیا تھا۔

تاجی اور جانی کے درمیان ہونے والی بحث اور جانی کے ردعمل سے اب اسے خود اپنے آپ پر شرمندگی ہوا کرتی تھی۔ جانی کا فرط جذبات سے گلوگیر لہجہ اور اس کی خاطر پہلی مرتبہ ماں کے سامنے زبان درازی کرنا اور سب سے بڑھ کر ان کو چھوڑ کر جانا چپو کو رہ رہ کر دکھ دے رہا تھا۔ تاجی کا خیال تھا کہ وہ واپس آجائے گا مگر چپو کو یقین تھا کہ اب ایسا نہیں ہوگا وہ نہیں جانتی تھی کہ کب اور کن حالات میں اب دوبارہ وہ اپنے بھائی سے مل پائے گی اور مل پائے گی بھی کہ نہیں...... ابھی بھی دکان سے واپسی پر یہی کچھ سوچتے سوچتے ابھی گھر کے اندر آئی تھی کہ گنڈی کو اٹھائے تاجی دردناک آواز میں بین کرتی اندر داخل ہوئی۔

''ارے چپو! ہم لٹ گئے رے برباد ہوگئے۔ ہمارا تو کچھ نہیں بچا... ہائے ہم تو لاوارث ہوگئے آج۔'' بال نوچتے ہوئے تاجی نے روتے بین کرتے ہوئے چلاتے ہوئے کہا تو وہ بوکھلا گئی۔

''اماں کیا ہوا خیر تو ہے ناں؟ کچھ تو بول تو سہی......؟'' دھڑ دھڑ کرتے دل میں فوراً جانی کے نام کی بازگشت شروع ہوگئی تھی۔

''ہائے میرے اللہ میں تو جیتے جی مرگئی اپنے سر کے سائیں کے ساتھ ہائے میرے معصوم بچے او میرے ربا... او میں کیا کروں......؟'' کمر کے گرد دوپٹہ باندھ کر وہ صحن کی عین بیچوں بیچ کھڑی سینہ کوبی کرنے لگی تھی۔ بالوں کی بکھری ہوئی لٹیں کندھوں سے ہوتی ہوئی آگے

آ رہی تھیں اور چنو جو بت بنی ساکت وساکن کھڑی تھی یہ خبر سنتے ہی اپنے حواس کھونے لگی۔

"ہائے بدبختو..... دوزخ جلو جاکے ہائے تمہیں کہیں کا نہ چھوڑا... میرے معصوم بچے راکھ ہوگئے ... میرا فیکا... میرے سر کا تاج۔" تاجی کے رونے اور سینہ کوبی کی آواز سن کر آس پڑوس کی عورتیں بھی آن کے آن میں ان کی گھر جمع ہوکر اس کی تقلید کرتے ہوئے ماتم کناں ہوگئیں۔

فیکے کی جوان اور طاقتور نوشے کی معصومانہ موت پر ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل غمناک تھا۔ رانی اور گڈی اس اچانک پیدا ہونے والی صورتحال سے خوفزدہ چپ چاپ بے ہوش چنو کے پاس بیٹھی تھیں۔ چند عورتوں نے گھڑونچی سے پانی نکال کر اس کے چہرے پر چھینٹے مارنا شروع کیے تو وہ ہوش میں تو آ گئی لیکن اب بھی اس کا دل ہرگز یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ ابھی چند لمحوں پہلے تاجی کی کہی گئی باتیں واقعی حقیقت ہیں۔

"کیوں..... کب اور کیسے.....؟" یہ سب کچھ پوچھنے کا تو ہوش بھی نہیں رہا تھا۔

سینہ کوبی کرتی تاجی بھی غشی کے دوروں میں بھی بین ہی کررہی تھی ایسے میں وہاں موجود عورتوں نے انہیں بڑا سہارا دیا۔

"اری ہوا کیا انہیں..... کچھ پوری خبر ملی کہیں سے؟"

ایک ادھیڑ عمر عورت نے بے ہوش پڑی تاجی کا سر اپنے گھٹنے پر رکھتے ہوئے آرام سے سہلاتے ہوئے پوچھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ تاجی کو کچھ دیر کے لیے ہوش میں نہ ہی لایا جائے تو بہتر ہے اس لیے کہ شوہر اور دو بیٹوں کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے اس کے دل اور دماغ کو یقیناً کچھ مہلت درکار ہوگی۔

"بس چاچی! بے چاروں کی قسمت..... کالو بتارہا تھا کہ مزار پر عرس کی وجہ سے لگائی جانے والی بتیوں میں کرنٹ سے ایک دم آگ لگ گئی تھی سب بھاگے تو بھگدڑ میں کئی لوگ مارے گئے کچھ تو وہیں جل بھی گئے۔"

دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرکے ناک رگڑتے ہوئے نصیبو نے کہا۔

"بڑا پیار تھا دونوں میں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کے جیتے تھے۔" سکھاں نے بے تاسف سے گلوگیر لہجے میں بات کرتے ہوئے ترحم آمیز نظروں سے سامنے بے ہوش پڑی تاجی کو دیکھتے ہوئے کہا تو سسکیاں لیتی باقی عورتیں بھی ہاں میں ہاں ملانے لگیں حقیقتاً سبھی کو اس سانحے کا دلی طور پر رنج تھا۔ وقفے وقفے سے وہ چنو اور دوسری دونوں کو بھی دلاسا دیے جاتیں گو کہ ان کی مدد کرنا بے حد مشکل تھا کیونکہ وہ سب اسی طرح کے کاموں سے منسوب تھے جس میں روٹی کا تعلق دیہاڑیوں کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر پھر بھی اخلاقی طور وہ جتنی مدد کرسکتی تھیں وہ کررہی تھیں۔

اچانک تاجی ہوش میں آ گئی تو باوجود اس کے کہ اس کی آواز بیٹھ چکی تھی مگر پھر بھی روتے ہوئے دوبارہ بال نوچنے اور سینہ کوبی کرنے لگی۔ ماں کے ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کرتے ہوئے چنو کبھی تو اس کے ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں پر لگاتی اور کبھی خشک ہونٹوں پر۔

لیکن کچھ ہی دیر میں برداشت ختم ہوگئی تو تاجی ایک بار پھر عورتوں کے بازوؤں میں جھول گئی۔ کئی چمکتی چاندنی راتوں پر گہن لگنے کے بعد اب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ چنو دونوں چھوٹی بہنوں کو سینے سے لگائے کبھی با آواز بلند روتی تو کبھی خود ہی چپ ہوکر انہیں حوصلہ دینے لگتی جو ان تمام مناظر سے ہراساں ہوکر سہمی بیٹھی تھیں۔

❁......❁......❁

دنوں کو گزرتے دیر ہی کتنی لگتی ہے گو کہ مشکل وقت سردیوں کی خشک راتوں کی طرح طویل ضرور لگنے لگتا ہے لیکن بہرحال رکتا وہ بھی نہیں اور درحقیقت وقت کا گزر جانا بھی رب کریم کی کروڑہا نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ سو جیسے تیسے کچی بستی کے اس چھپر نما مکان میں بھی دن گزر رہے تھے لاشعوری طور پر تاجی اور چنو دونوں کو ہی جانی کا بڑی شدت سے انتظار تھا جو ان دونوں کی توقع کے برعکس لوٹ کر ہی نہ آیا تھا اور نہ ہی بستی کے کسی فرد نے

اسے کہیں دیکھا تھا۔

صوبائی حکومت کی طرف سے حادثے میں جاں بحق شدگان کے وارثین کے لیے جتنی رقم کا اعلان کیا تھا اس سے نصف ضلع انتظامیہ کو ملی تھی۔

کالو نے ناجی کو روپے ملنے کی بابت آگاہ کیا تو وہ بھی اپنا حصہ لینے دفتر جا پہنچی جہاں اس کی حیثیت کا اندازہ کرتے ہوئے کئی طرح کی کٹوتیاں کرنے کے بعد مختصری رقم اس کے حوالے کی گئی جس روز ناجی وہ رقم لے کر گھر پہنچی؛ رانی اتنے سارے روپے اکٹھے اس کے ہاتھ میں دیکھ کر فوراً اپنی انگلیوں پر حساب کرنے لگی۔

"ابا.... نوشا اور طاقو...... تین لوگوں کے مرنے پر اتنے روپے ملے ہیں اللہ کرے اگلے برس میں گڈی بھی مرجائے تو کچھ اور پیسے بیٹھے بٹھائے مل جائیں گے۔"

رانی نے میل بھرے ناخن سے سر کھجاتے ہوئے کہا تو ناجی سے اور تو کچھ بن نہ پڑا تیل کی خالی بوتل اسے دے ماری اور وہ روتی ہوئی بیو کے گلے جا لگی گو اپنے تئیں تو اس نے گھر کے فائدے ہی کی بات کی تھی یوں بھی نہ تو اتنے روز سے ناجی کام پر گئی تھی اور نہ ہی بیو۔ کھانے والے اب چار تھے تو کمانے والا ایک بھی نہیں بچا تھا سو زندگی ربڑ کے جوتے کی مانند آہستہ آہستہ گھسنے لگی۔

❁.....❁.....❁

جانی کے لیے زندگی مکمل طور پر بے معنی ہو کر رہ گئی تھی؛ پہلے تو پیٹ بھرنے اور گھر والوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا تھا لیکن اب تو سارا دن شہر کے تقریباً آخری علاقے میں موجود ہوٹل کے آگے بس گم صم سا بیٹھا رہتا جس سے کم از کم اتنی رقم تو ضرور اکٹھی ہو جاتی کہ وہ نشے میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ ہوٹل بند کرتے وقت مالکان کچھ بچا کھچا بھی اسے دے جاتے جس سے وہ پیٹ کا ایندھن بھرتا اور اکثر یہی سوچتا۔

"حیرت ہے جب میں بازو پر چھوٹے تولیے اور ہاتھ میں تنکے پکڑ کر ٹریفک سگنلز پر بیچا کرتا تھا تو میرے ہاتھ خالی جبکہ فقیروں کے کشکول بھر جایا کرتے تھے اگر گاڑیوں کو چمکانے لگتا تو ان کے مالک چند روپے دینے کے بجائے گاڑی گندی کرنے کا الزام لگا کر گالیاں دیتے ہوئے گاڑی بھگا کر لے جاتے اور میں ان گاڑیوں کی تیز رفتاری کے باعث پہیوں سے اڑتی دھول مٹی میں اپنی ذات کو مزید گرد آلود ہوتا دیکھتا رہتا اور آج جب کہ میں ایک نشئی کی حیثیت سے چپ چاپ بس بیٹھا رہتا ہوں تو لوگ دامن بھر جاتے ہیں۔" دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں ان سب باتوں سے جانی کو قطعاً کوئی غرض نہ تھی اس کی دنیا صرف اور صرف کچرے کے ڈھیر سے شروع ہو کر بڑے بڑے پائپوں پر ختم ہوتی تھی۔

اس دن بھی وہ نشہ کرنے کے بعد پائپ کے اندر ہی آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا کہ ایک بڑی سی گاڑی عین اس کے سامنے آ کر رکی تھوڑی دیر تک اس سے چند باتیں کرنے کے باوجود خاطر خواہ جواب نہ پا کر سفید کوٹ پر کلپ کی مدد سے اپنے نام اور پیشے سے متعلق کارڈ لگائے آدمیوں نے اسے پکڑا اور بغیر کچھ کہے سنے گاڑی میں بٹھا دیا جس میں اس جیسے چند دوسرے لڑکے بھی موجود تھے اس وقت تو ذہن ماؤف تھا سو یوں ہی خوابیدہ کیفیت میں ان کے ساتھ چل دیے لیکن نشے کا چھایا ہوا خمار ختم ہوا تو ارد گرد کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ چند نوجوان ڈاکٹرز نے نشے کے خلاف ایک بڑی مستند اور فعال این جی او بنائی ہے جو نشہ کرنے والے افراد کو اس سے نجات دلا کر زندگی کی راہ پر گامزن کرنے میں ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرتی ہے۔ یہ بھی پتا چلا کہ اس فلاحی تنظیم کو ایک نیک دل اور سینئر ڈاکٹر فروا کی مکمل حمایت اور سرپرستی حاصل ہے اور انہی کے بھرپور تعاون سے یہ نوجوان اپنے ملک کے مستقبل کے معماروں کو درست سمت کی روشنیاں کھوجنے کی تربیت دینا چاہتے تھے۔

کئی اخبار نویسوں نے ان کی تصویریں چھاپیں اور کئی لوگ ان کے پاس وارڈ میں آ کر نشے کے نقصانات بھی گنواتے رہے لیکن جانی کو ان سب سے کوئی غرض نہیں تھی وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس نشے نے ہی اسے بہت سے

دکھوں سے بچا رکھا تھا کہ تنہائی ملتے ہی اس کے دل میں گھر والوں کی یاد اور خصوصاً بیٹو کا ہونق چہرہ جس طرح بے چینی کا باعث بنتا تب اس کے پاس اپنا سر پیٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا البتہ نشہ کس طرح اسے اندرونی طور پر کھوکھلا کرکے ناکارہ بنا رہا تھا اس بات کا تو نہ ہی اس سمیت کسی کو بھی شعور تھا اور نہ ہی سوچنے کی فرصت۔

مطب کے اوقات میں وارڈ میں شور شرابے کا جو ایک عجیب سا ماحول ہوتا اسے تمام ڈاکٹرز بڑے ہی تحمل سے اور بردباری سے سنبھالتے۔ جانی کو چونکہ اس دلدل میں پھنسے ابھی قلیل مدت ہی گزری تھی اس لیے وہ بہت جلد ہی بہتری کی منازل طے کرنے لگا تھا لیکن ابھی ان سب کے علاج کا کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس تنظیم کی روح رواں ڈاکٹر فروا کے متعلق یہ سننے میں آیا کہ شوہر سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث انہوں نے جس طرح اپنے پہلے شوہر سے طلاق لینے کے لیے عدالت کا رخ کیا تھا اسی طرح اب بھی دوسرے شوہر سے طلاق لینے کے باعث انہوں نے کورٹ میں خلع کی درخواست دائر کررکھی تھی جو کہ منظور ہونے اور خلع حاصل کرنے پر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ گھر بار بیچ کر مستقلاً کینیڈا شفٹ ہو رہی ہیں۔

اسپتال میں ان کو دی گئی الوداعی پارٹی کے دن وہ فرط جذبات سے بار بار روئے گئیں وارڈ میں متعین نرسز کا خیال تھا کہ انہیں ایک بار پھر مجید صاحب سے ہی نکاح کرلینا چاہیے جو پہلے ہی کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں۔

جانے سے پہلے ڈاکٹر فروا ان کے وارڈ میں آئیں اور بات کرنے کے دوران آبدیدہ ہوتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھانے کو کہا لیکن وہ سب نہ ہوسکا جس کا خواب ڈاکٹر فروا نے دیکھا تھا۔ تمام ڈاکٹرز کو سمیت کر تسبیح کے دانوں کی طرح اپنے اخلاق کے دھاگے میں پرونے والی ڈاکٹر فروا کے جاتے ہی سب اس طرح انفرادی اختلافات میں الجھے کہ وہ دھاگہ ہی ٹوٹ گیا' تسبیح کے تمام موتی یونہی بس ادھر ادھر بکھر کر رہ گئے اور یوں ایک دن موقع پا کر ہی جانی اسپتال کی کھڑکی سے کود کر فرار ہوگیا' یہ جانے اور سوچے بغیر کہ اسپتال میں تو اس کو رہنے کی جگہ اور کھانا سب مفت میسر تھا لیکن پھر بھی اسے اپنا آپ وہاں قید معلوم ہوتا' باہر جا کر تو ہر کام کے لیے روپے درکار ہوں گے۔

❁......❁......❁

"اوئے ہیرو! کیا گل کھلا کے آیا ہے؟" لمبے چوڑے سپاہی نے جانی کو لات رسید کرتے ہوئے حوالات کے اندر پھینکنے کے انداز میں داخل کیا تو پہلے سے موجود قیدی نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔ حواس باختہ جانی تحقیقی جاسوسی سے اسے دیکھنے لگا جو شاید اسی کا منتظر بیٹھا تھا۔

"بتا ناں' کہاں سے اور کیا کرتے پکڑا گیا ہے؟" وہ یقیناً تنہائی سے تنگ آچکا تھا جبھی اس کے آتے ہی بات چیت کرکے وقت گزارنا چاہتا تھا مگر اس کی خاموشی سے چڑ گیا۔

"اب بولے گا نہیں تو تیرا دماغ پھٹ جائے گا' اچھا ہے کچھ کہہ سن کر دل ہلکا کرلے۔" جواب میں جانی نے گھٹنوں پر سر رکھ دیا' بالکل اسی طرح جیسے وہ دیہاڑی نہ لانے پر روٹی کے وقت کرتا تھا بے بسی کے آنسو تب بھی تھے اور آج بھی۔

"شکل سے اتنا چالو لگتا تو نہیں ہے میرا خیال ہے ابھی اس سمندر میں نیا ہے اور تیرنا بھی ٹھیک سے نہیں آتا' ہے ناں؟" وہ جو کوئی بھی تھا مگر انتہائی باتونی تھا سو جانی کا کندھا ہلاتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ جانی کا یہ انداز دیکھ کر دوسرے قیدی نے کندھے اچکائے اور وقت گزارنے کے لیے حوالات کی سیاہ آہنی سلاخوں کے پار زندگی کے آثار دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر چند ہی لمحوں بعد اکتا کر ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"چل چھوڑ اپنے اٹھی راز اپنے پاس رکھ اور میری سن' میں آج تیسری مرتبہ جیل آیا ہوں اب تو عملہ بھی واقف ہوگیا ہے سب جانتے ہیں کہ بس چند دنوں کا مہمان

ہوں۔'' چوپا کھڑی کوئلے کی تحریروں سے مزین دیوار کے سہارے ٹانگیں پسارتے ہوئے وہ بولا تو جانی نے سابقہ کیفیت میں محض آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''چل اب تو کچھ سنا دے یار! جیل کی رات بڑی لمبی لگتی ہے، گپیں مارتے ہوئے گزار لیں گے۔'' جانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھنجوڑتے ہوئے وہ بولا تو جانی جو رانفلیں تانے پولیس والوں کو یہاں سے وہاں جاتا دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہو چکا تھا اسے اپنا ہمدرد خیال کرنے لگا۔

''جیل کی ایک رات..... میری تو جانے کتنی ہی راتیں اب جیل میں ہی کٹیں گی مجھے تو کوئی چھڑانے بھی نہیں آئے گا۔''

''کیوں..... کوئی باپ بھائی کوئی والی وارث نہیں ہے تیرا؟'' گفتگو میں دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے وہ بولا تو جانی نے بس یوں ہی نفی میں دائیں بائیں گردن ہلا دی یہ جانے بغیر کہ وہ تو حقیقتاً اب ان رشتوں سے محروم ہو چکا ہے۔

''کوئی یار دوست.....؟''

''نہیں..... کوئی نہیں۔''

''تو کیا اب تک یوں ہی اکیلا..... ارے کوئی کچرے پر پھینک گیا تھا تجھے کیا کرتا رہا ہے اب تک؟'' وہ جانی کی ادھوری باتوں سے الجھنے لگا تھا۔

''میں.....'' جانی نے کچھ سوچ کر اپنی مختصری بپتا اسے کہہ سنائی البتہ ماں کے متعلق اپنے جذبات اور چپو سے نسبت رکھنے والی ہر بات وہ مکمل طور پر چھپا گیا تھا۔

''ہوں..... تو یہ بات ہے۔'' اس نے جانی کی کہانی سن کر کسی سوچ میں گم ہوتے ہوئے نظریں جانی کے چہرے پر جما دیں دل بہت آگے کی حکمت عملی ترتیب دے رہا تھا۔

''پھر تو تیری قسمت واقعی بڑی خراب ہے، تجھ جیسے کتنے جیلوں میں پہلے سے سڑ رہے ہیں، بے گناہ بھی اور معمولی سے جرم کے مرتکب بھی اور پتا ہے جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا ناں وہ اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف پیشی کے انتظار میں ہی ان سیلن زدہ دیواروں کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔'' جانے کیوں اسے جانی سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔

''اچھا سن، میرا نام بوبی ہے اور بس آج سے میں تیرا دوست بھی ہوں اور بھائی بھی، سمجھا؟'' جانی کی شکل میں بوبی کو اپنے اوائل روز نظر آنے لگے تھے جب وہ بھی اس کی طرح حالات سے فرار ہونے کی کوشش میں یوں گھبرایا کہ اب اپنے ضمیر سے بھی فرار پانا ممکن نہ رہا تھا، چند لمحات خاموشی نے نگل لیے۔ جانی کا کندھا تھپتھپانے کے بعد بوبی نے اسے مزید کریدنے کا ارادہ ترک کرکے بازو کا تکیہ بنایا اور لیٹ کر اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔

آئندہ آنے والے دنوں میں پولیس کا خوف جانی کے چہرے کی پیلاہٹ کو مزید گہرا کر رہے تھے، خشک لبوں پر بار بار زبان پھیرنے کے باوجود ان پر پپڑی جم چکی تھی اور پھر اس کی تو کوئی امید یا کوئی ایسا سہارا بھی نہ تھا جو اسے یہاں سے نکال کرلے جاتا۔ یہی سوچ کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا جسے اس نے اپنی آستین سے رگڑ کر بہنے سے روک تو دیا مگر پھر بھی یہ نمکین سیال بوبی کو بھی بے چین کر گیا۔ اسی لیے اپنی دانست میں اس کا غم دور کرنے کو وہ جانی کے نزدیک ہی کھسک آیا یوں بھی وہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہو رہا تھا۔

''ماں یاد آ رہی ہے؟''

''ہاں بہت.....'' تاجی جیسی بھی تھی آخر کو اس کی اپنی سگی ماں تھی جبھی بوبی کے سوال پر جو دل میں آیا کہہ ڈالا۔ ہزار اختلاف کے باوجود اس کا دل اب بھی ماں کی گود کے لیے تڑپ رہا تھا لیکن بوبی کے اگلے ہی سوال نے جانی کے ہونٹوں کی جنبش پر بین لگا دیا۔

''ماں بہت پیار کرتی ہے تجھ سے؟'' بوبی کا پوچھا گیا سیدھا سادا سوال جانی کو انی کی طرح محسوس ہوا تھا جو اس کے جسم کو چھیدتا آر پار ہو گیا۔ آنسو تھے کہ گالوں پر لڑھکنے کے بجائے حلق میں جمع ہوتے جا رہے تھے

جب ہی بولنا ناممکن ٹھہرا تو مخفی جبڑے بھینچتے ہوئے گردن اثبات میں ہلادی۔

"یار ویسے اس معاملے میں تو تُو بڑا خوش قسمت ہے کہ اپنا دکھ کہنے کو تیرے پاس ماں ہے مجھے دیکھ جس کا کوئی نہیں ایک ماں تھی جو ہمارے پیٹ کا ایندھن بھرتے بھرتے بے چاری خود ہی اس ایندھن کی نذر ہوگئی۔" آلتی پالتی مار کر بیٹھے بوبی نے انگوٹھے کا ناخن مسلتے ہوئے کہا تو جانی اپنا غم بھول کر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

بوبی یادوں کے بے جان گھوڑے پر سوار ماضی کے لق ودق صحرا کی خاک چھاننے نکل کھڑا ہوا تھا' دونوں کی کہانی میں ہزار اختلاف سہی لیکن آج کے آئینے میں دونوں ہی کی ماں کا عکس بڑا واضح نظر آرہا تھا۔

"کچھ نہیں ہے تیرے لیے...... کما کر لا اور کھا...... بہانے بناتا ہے مذحرام!" بوبی کی کہانی سننے کے بعد جانی بے اختیار اپنی اور اس کی ماں کا موازنہ کرنے لگا تو تائی کی آواز باقی تمام محسوسات پر حاوی ہو کر اس کی سماعتوں پر ضربیں لگانے لگی۔

محبت بھرا کوئی جملہ' دعا یا ممتا سے لبریز کوئی لمس' ایسا کچھ بھی تو جانی کی یادداشت کی کوٹھڑی میں محفوظ نہ تھا' ہاں تھا تو بس اندھیرا اور بس......

"ہونہہ! میری ماں کے دل میں تو دعائیں بھی محض ان لوگوں کے لیے تھیں جو اس کے کشکول میں جھنکار پیدا کرنے کا باعث بنتے۔ کڑواہٹ بھرے ذہن کے ساتھ جانی نے بددلی سے سوچا۔

لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ بوبی سے اپنا حال کہہ سن لینے کے بعد اسے واقعی اپنے اندر تبدیلی محسوس ہو رہی تھی' یوں لگتا جیسے بوبی سے اس کی برسوں پرانی شناسائی ہو۔ نیند تو دونوں ہی کی آنکھوں میں نہیں تھی اس لیے آواز بلند باتیں کرنے پر سپاہی کی طرف سے سرزنش کا سامنا کرنا پڑا تو تمام رات سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے کس طرح رات گزر گئی انہیں پتا ہی نہ چلا اور بوبی کے دعوے کے عین مطابق صبح نو بجے سپاہی اسے بلانے آن پہنچا۔

"جانی تُو فکر نہ کر میں تجھے ضرور چھڑا لوں گا لیکن شاید ایک دو دن لگ جائیں اور ہاں دیکھ......" جاتے ہوئے گلے ملنے کے دوران بوبی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کسی بھی چیز یا جرم کا اعتراف نہ کرنا' چاہے کچھ بھی ہو جائے ورنہ بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔" اس نے جاتے ہوئے جانی کی بڑی ہمت بندھائی تھی لیکن اول تو اس کا جیل آنے کا پہلا تجربہ تھا سو خوفزدہ ہونا ایک فطری عمل تھا اور دوسری بات یہ کہ اسے معلوم تھا کہ اب اس کا جیل کی اس پیلی کوٹھڑی سے نکلنا شاید ناممکنات سے ہے۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر کے سامنے اس کا بیان لیا گیا اور جانی کی اس وقت حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب سترہ موبائل فونز' ساٹھ ہزار روپے اور طلائی زیورات چوری کرنے جیسے کتنے ہی اسٹریٹ کرائمز اس کے پلے ڈال کر اعتراف جرم کے لیے اکسایا جانے لگا۔

"صاحب جی! میں نے کچھ نہیں کیا' میں بے گناہ ہوں۔ اللہ اور رسول کا واسطہ ہے مجھے چھوڑ دیں۔"

"بس بس اب چھوڑ دے یہ رونا دھونا اور سیدھی طرح بتا کس جماعت یا گروپ کے لیے کام کرتے ہو؟" ایس ایچ نے روزنامچہ کھول کر جرم کی نوعیت کے خانے پر نظر دوڑائی لیکن اسے خالی پا کر جانی کی التجا نظر انداز کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی اسٹک سے ٹیبل کی شفاف سطح پر آواز پیدا کرتے ہوئے بولا تو پاکستان کی حقیقی پولیس آہستہ آہستہ کر کے اس کے سامنے آنے لگی۔

"میرا کسی جماعت یا گروپ سے کوئی تعلق نہیں ہے صاحب! مجھے چھوڑ دو صاحب' میں ساری عمر آپ کو دعائیں دوں گا۔"

"آج تک کسی مجرم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ جرم اس نے کیا ہے۔" سب انسپکٹر نے یونہی ایس ایچ او کے سامنے کارکردگی بڑھانے کو اسے کان سے پکڑا اور جھنجوڑ ڈالا۔

"یہ ایسے نہیں بولے گا' بند کردو اسے' ہونہہ آیا بڑا

مولوی! حلوے کھا کر دعائیں دینے والا۔" ایس ایچ او کے کہنے کی دیر تھی کہ کانسٹیبل نے اس کی کلائی بھینچی اور ایک بار پھر بند کر دیا۔

❀......-×-......❀

بہار آنے کو تھی ایسا موسم جس میں ٹنڈ منڈ کھڑے درختوں پر بھی شگوفے پھوٹنے لگتے۔

مگر نانی کے آنگن میں اس دفعہ بہار آتے ہوئے گریزاں اس لیے تھی کہ گھر کے تمام در و دیوار پر تو جیسے خزاں ہی آ کر ٹھہر سی گئی تھی۔ گھر ایک دم ہی مردانہ آوازوں سے خالی ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ شوہر بچا تھا اور نہ ہی بیٹے۔ حادثے کے کتنے ہی دن بعد تک تو وہ کام پر جانے کے قابل بھی نہیں ہوئی تھی' حفیظ کے دیے روپوں سے اب تک گھر کا دال دلیا چل رہا تھا۔ عرصے بعد آخر وہ جی کڑا کے نکلی بھی تو ہمت ہار کر وہیں بیٹھ گئی بھلا اسے چلنے کی عادت ہی کہاں تھی فیکا اسے سارا سارا دن ریڑھی میں بٹھائے رکھتا ہر جگہ اور دی جانے والی صدائیں اسے فیکے کی ہی آواز سنائی دیا کرتی اور وہ یونہی بس خوامخواہ مڑ مڑ کے پیچھے دیکھنے لگتی کہ جیسے لوگوں کے اس ہجوم میں فیکا بھی اسے پکارا چلا آ رہا ہے۔

اکثر تو سڑک پر چلتے چلتے نانی کو یاد ہی نہ رہتا کہ اس کے اطراف ٹریفک رواں دواں ہے وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ گاڑیاں ہارن پر ہارن دیے تھمتیں ورنہ تو اچھا خاصا دیکھ بھال کے چلنے والوں کو بھی ڈرائیور حضرات کسی خاطر میں نہ لایا کرتے۔

آنکھوں میں آنسو لیے بس وہ ہونق سی کبھی ایک جگہ کھڑی ہوتی تو کبھی دوسری جگہ۔ نہ صرف شوہر بلکہ دو بیٹے آن کی آن میں راکھ بن گئے تھے۔ یہ بات اس کے ذہن سے نکالے نہ نکلتی اور پھر وہ تینوں تو چلو دنیا میں نہ رہے مگر جانی..... جو جیتے جی انہیں جدائی کا روگ لگا گیا تھا آتے جاتے لوگوں میں جانی کے چہرے کو کھوجتی نانی کی سفید بے رونق آنکھیں ہر وقت حرکت میں رہتیں لیکن حقیقتاً اب وہ وہ نانی نہیں رہی تھی نہایت کمزور دل اور بڑی کم ہمت ہو گئی تھی اب وہ.....

گڈی تو یوں بھی پیدائشی کمزور تھی لیکن ان دنوں بھوک نے تو اس کی حالت مزید ابتر کر دی تھی۔ پتلی پتلی کمزور ہڈیاں اور اندر کی طرف بتدریج دھنستی آنکھیں' سارا سارا دن بھوک پوری نہ ہونے پر روتی رہتی نہ تو گود میں اٹھانے پر چپ ہوتی اور نہ ہی بہلانے پر اور بھلا چپ ہوتی بھی تو کیسے؟

اگر دو روٹی کی بھوک پر محض دو لقمے کھانے کے نام پر ملیں تو بڑے تو جیسے تیسے صبر کر لیں مگر بچوں کو کون سمجھائے؟ اس دن بھی نانی کام پر گئی تو ضرور لیکن گڈی کی چڑچڑاہٹ اور رونے سے تنگ آ کر وقت سے پہلے ہی لوٹ آئی اور آتے ہی اسے گھر کے کچے فرش پر گیند کی طرح پٹخ دیا۔

"چپ کر..... اب آواز نکالی تو گلا گھونٹ دوں گی تیرا۔ ارے تم دونوں بھی مر جاتیں تو اچھا تھا' جان عذاب میں ڈالی ہوئی ہے میری۔" نانی نے جھنجلاہٹ میں گڈی کو اس کے نحیف کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجوڑا تو وہ ڈر کر چپ ہونے کے بجائے بلک بلک کر مزید رونے لگی۔

"اماں..... اماں اس میں گڈی بے چاری کا بھلا کیا قصور ہے؟" چھو بوکھلا کر باہر نکلی اور گڈی کو اٹھا کر آغوش میں لیتے ہوئے گلے سے لگالیا جب کہ نانی وہیں کمرے ہی سے جھانکتے ہوئے ماں کو آج پھر غیظ و غضب کے عالم میں دیکھتی رہی۔ نانی نے گڈی کو پیار کرتی چھو کو گھورتے ہوئے دیکھا۔

جب سے نانی نے دوبارہ سے دھندے پر جانا شروع کیا تھا جان بوجھ کر چھو کو گھر چھوڑ جایا کرتی' گورنمنٹ کی طرف سے لواحقین کو دی گئی امداد کے روپے کچھ تو دوسری بستی کے استاد کا ادھار لوٹانے اور گھر میں ہی کھڑی ریڑھی کو کرائے سمیت واپس کرنے میں خرچ ہو گئے اور کچھ گھر میں کھانے پینے پر۔ اب اس کا خیال تھا کہ چھو کو خود اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ گھر کو اس کی ضرورت ہے اور

اسے اپنی ماں اور چھوٹی بہنوں کے لیے کچھ کما کر لانا چاہیے مگر پپو کو ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر اسے مزید طیش آ جاتا لیکن جس طرح چوٹ تازہ ہو تو اس کے درد اور اس کے نتیجے میں جسم میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو پاتا بالکل اسی طرح انسان کو بھی اپنے ساتھ ہونے والی کسی کی بدی بدبختی یا اپنے ہی کیے گئے کسی فعل کے مضر اثرات کا اندازہ بھی فوری طور پر نہیں ہوتا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیاز کی پرتوں کی طرح جب سارے خسارے ایک ایک کر کے کھلتے ہیں حقیقت کا ادراک تب ہی ہوتا ہے مگر آئندہ ایسا نہ ہونے کی حکمت عملی تو ترتیب دی جاسکتی ہے لیکن ہاتھ آئے خسارے سے جان چھڑانا بعض اوقات ممکن نہیں ہوتا اور پپو بھی ضمیر پر خسارے کا منوں بوجھ لیے آئندہ آنے والے وقتوں میں کوئی غلط قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے نانی کی چڑچڑاہٹ بات بے بات گالی گلوچ اور دھندہ نہ ہونے کے باعث بھوک کا رونا سن کر بھی ان سنی کر دیتی۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب دہائیاں وہ اس کے سامنے دے کر کیا کہنا چاہتی ہے۔

"چپ کرا اسے ورنہ..." نانی نے ابلتی آنکھوں سے پپو اور پھر گندی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اماں! اس سارے معاملے میں گندی بے چاری کا کیا قصور؟ کیوں اسے ہلکان کر رہی ہو؟"

"ہاں ہاں تم سب تو بے چاریاں ہی ہو ناں ظالم تو ہوں میں قصوروار تو میں ہوں کہ کیوں تم تینوں اناج کی دشمنوں کو پیدا کیا؟ اب بتا کہاں سے کھلاؤں تم سب کو؟ اپنے تن کے ٹکڑے کاٹ کر بیچ آؤں بول؟" چلاتے چلاتے ایک دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس نے پپو کی کمر پر دھموکا جڑ دیا تھا۔ دبلی پتلی پپو اس اچانک افتاد پر محض ہونٹ کاٹ کر رہ گئی تھی۔

"وہ فیکا... "فیکے کا نام آتے ہی لہجہ ذرا دھیما بھی ہوا اور آواز میں بھی ٹھہراؤ اترتا محسوس ہوا۔ "کبھی اس نے مجھے سارا سارا دن زمین پر پاؤں نہیں رکھنے دیا تھا ایک ہاتھ سے میری ریڑھی پکڑے سارا دن مجھے بٹھائے رکھتا کیا کروں اب نہیں رہی مجھے عادت سارا سارا دن چلنے کی اور ایک وہ جانی..." جانی کا نام زبان تک آتے ہی آواز میں غراہٹ شامل ہوتی محسوس ہوئی۔

"ناس مارا جانے کیا سبق پڑھا گیا ہے تجھے اچھے خاصے تے رزق کو لات مارے بیٹھی ہے۔"

"اماں..." پپو نے زخمی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"خود تو جانے کہاں دفع ہو گیا اور ہم سے منہ کی نوالا تک چھین لے گیا۔"

"اس لیے کہ ابھی وہ اتنا بے غیرت اور بے شرم نہیں ہوا تھا کہ اپنی آنکھوں سے بہن کو عزت بیچتا دیکھتا۔" پپو نے آج پہلی مرتبہ اس موضوع پر یوں دبنگ انداز میں بات کی تھی جس پر نانی کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"اور میں تو خوش ہوں کہ خدا نے ماں نہیں تو بھائی تو اتنا غیرت والا دیا ورنہ... ورنہ میں تو شاید اب تک مر بھی گئی ہوتی۔"

"اچھا تو... تو مجھے بے غیرت کہہ رہی ہے؟" نانی کو پپو کے سانولے چہرے پر شدت جذبات سے دوڑتی سرخی ذرا نہ بھائی تھی۔

"ہونہہ... مائیں تو اپنی بیٹیوں کی عزت بچاتے بچاتے مر جاتی ہیں مگر ان پر ذرا سی بھی آنچ آنے نہیں دیتیں پھر کیسی ماں ہے تو کہ خود اپنے ہاتھ سے مجھے اس میدان میں اتارنے پر تلی ہے جہاں یہ بھوکے کتے چند روپوں کے بدلے تیری پپو کو نوچ ڈالیں گے بھنبھوڑ کر رکھ دیں گے یہ وحشی جانور... مگر تو..." پہلی دفعہ پپو کو یوں ماں کے سامنے بولتا دیکھ کر رانی بھی سہم گئی تھی اسی لیے بھاگتے ہوئے آ کر اس کے ساتھ آ چپکی تھی۔ روتی ہوئی پپو نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر گلے لگا لیا تھا اور پھر ان کے بالوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

پپو کے لہجے میں اس قدر تلخی آواز کی تیزی اور ماں کے سامنے زبان درازی اس سے پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی تھی مگر اس سب کے باوجود نانی کے ذہن میں آیا فتور تھا

کہ کم ہونے کا نام ہی لینے کو تیار نہ تھا بلکہ شرمندہ ہونے کے برعکس اس کا غصہ مزید بھڑک اٹھا تھا۔ دن بھر چلتے رہنے کی وجہ سے ٹانگوں کا درد بھی اب اس سے برداشت نہیں ہو پارہا تھا اور گڈی کو اٹھائے رکھنے کی وجہ سے دائیں بازو میں پڑی اینٹھن.....

"ارے میں کوئی اکیلی نہیں ہوں اس دنیا میں' بہت سی عورتیں ہیں جو اپنی مرضی سے یہ کام کرتی ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتی ہیں' کتنوں کو تو میں خود بھی جانتی ہوں۔ چتنگ لگے نہ پھٹکری رنگ بھی چوکھا آئے اور ایک تُو نواب زادی ہے کہ ہونہہ....." تائی نے اندر کا غبار نکالنے کے لیے اٹھ کر رانی اور گڈی کو پیٹنا شروع کردیا۔

"بڑی بہنیں تو ماؤں کی جگہ ہوتی ہیں' اپنی چھوٹی بہنوں کی زندگی سنوارنے کا سوچ چنو! ایک تیری قربانی سے ان دونوں کی زندگی بن جائے گی' انہیں بھی اسکول بھیجا کریں گے' مس جی بنا دیں گے انہیں۔ اری میری تو گزر گئی ان دونوں کا سوچ' ورنہ یہ دونوں عزت والی زندگی کیسے جئیں گی؟" ان دونوں کو مارنا چھوڑ کر وہ چنو کو نرم لہجے میں سمجھا رہی تھی مگر اس کا کوئی بھی ردعمل محسوس نہ ہونے پر ایک بار پھر آواز کی لے بھی بدلی اور لہجے کی تال بھی۔

"مرجاؤ کہیں جاکر دفع ہوجاؤ اور مجھے سکون سے مر ہی جانے دو۔ کہاں سے بھروں تم سب کے پیٹ کا دوزخ۔" سر پر ہاتھ رکھے اب وہ بین کیے جارہی تھی' پھٹی پھٹی آنکھوں اور پپڑی جمے ہونٹوں سے دہشت زدہ ہوکر یہ سب دیکھتی رانی اور گڈی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی چنو کی آنکھوں میں آنسو رواں ہوگئے تھے' ایک دم جانے اس کے من میں کیا سمائی کہ ایک نظر اس نے ہذیانی کیفیت میں بین کرتی ماں کو دیکھا اور پھر دونوں چھوٹی بہنوں کو' جو اب خود رونا چھوڑ کر آنکھیں پھاڑے بڑی ناسمجھی سے ماں کو دیکھے جارہی تھیں۔

آنسو لمحہ بھر میں خشک ہوکر گرد آلود چہرے پر عجیب ٹیڑھی میڑھی سی سطریں بنا گئے تھے۔ چنو کو اپنی جانب متوجہ پایا تو فوراً دونوں اس کی طرف لپکیں اور اس کی بے جان ٹانگوں سے لپٹ گئیں۔ چنو نے لمحہ بھر کے لیے دونوں کو پیار کیا' ہتھیلی کی پشت چہرے پر رگڑتے ہوئے آنسو صاف کیے' کن اکھیوں سے ہلکان ہوکر بیٹھی تائی کو دیکھا اور پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ٹین کے صندوقچے میں رکھے خاکی رنگ کے لفافے میں موجود الا بچیاں نکالنے چل دی۔ اپنی چھوٹی اور معصوم بہنوں کا مستقبل اور عزت اسے ہر حال میں محفوظ رکھنا تھی اور انہی کی خاطر اس نے ایک بار پھر درخت کی مانند خود کڑی دھوپ کا عذاب جھیلتے ہوئے ان ننھی کلیوں کو چھاؤں دینے کا سوچا تھا۔

❁......-×-......❁

جانی کو حوالات میں بند ایک ہفتہ ہوگیا تھا لیکن پولیس والوں کی طرف سے اس کے کیس میں کوئی بھی پیش رفت نہیں کی گئی تھی' دن سے رات کا ہونا ایک مشکل ترین امر لگا کرتا۔

"اوئے....." ایک فربہ سے سپاہی نے حوالات کی سلاخوں کے اس پار سے آواز لگائی تو وہ بیٹھا بیٹھا بڑبڑا گیا۔

"چل بھئی تیری ضمانت آئی ہے۔" آزادی کا پروانہ سناتے ہوئے اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور مقفل سلاخوں پر موجود سیاہ تالا کھولنے لگا۔

جانی نے چونک کر بے یقینی کے عالم میں جیل میں موجود دوسرے قیدیوں کو دیکھا کہ شاید وہ سپاہی کسی اور سے مخاطب ہے اور وہ محض خوش گمانی کے زیر اثر اس آواز کو اپنے لیے سمجھ رہا ہے۔

"اے لو..... تُو بڑا ماسٹر نکلا' ہمیں جھوٹی کہانیاں سناتا رہا کہ تجھے چھڑانے والا کوئی نہیں ہے پھر یہ ضمانت کس نے بھیجی ہے؟" ڈکیتی کے الزام میں کل ہی لاک اپ میں قید ہونے والے نئے قیدی نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے استفسار کیا۔

"دیکھ لے..... یہ دو دن کا چھوکرا بھی اب ہمیں الو بنا گیا۔" ساتھی نے بھی تائید کی تو وہ اس سے پہلے کہ

وضاحت دیتا سپاہی نے اکتاہٹ بھرے انداز میں گھورا۔

"اوئے چل جلدی بھی کر یہ پریس کانفرنس بعد میں کرلینا۔" سپاہی نے خود اندر آ کر اسے بازو سے پکڑا اور باہر کی طرف دھکیل دیا۔ حیران پریشان جانی ایس ایچ او کے دفتر پہنچا تو ان کے عین کرسی پر موجود شلوار قمیص میں ملبوس ایک انجان شخص کو دیکھ کر مزید الجھ گیا۔

"سلام صاحب۔" دایاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر اس نے دونوں کو سلام کیا۔

"ہاں ہاں بس ٹھیک ہے لیکن زیدی صاحب کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں اگر آئندہ کوئی ایسی حرکت کی تو امید نہ رکھنا' کڑی سے کڑی سزا دوں گا' سمجھے؟" ایس ایچ او نے اپنے پیشہ وارانہ انداز میں اسے تنبیہ کرنا لازمی خیال کیا تھا۔

"ویسے آپ صرف فون کردیتے تب بھی کام ہوجاتا' اتنے چھوٹے سے کام کے لیے آپ کا خود آنا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوا۔" زیدی صاحب نے چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتارنے کے بعد کپ ٹرے میں رکھا اور سامنے رکھی بسکٹوں سے بھری پلیٹ کو پرے کھسکاتے ہوئے انسپکٹر کے الوداعی کلمات کو شانِ بے نیازی سے حوالہ سماعت کیا۔

"بس یہاں سے گزر رہا تھا سوچا ملاقات کا بہانہ ہی سہی۔" کرسی ہٹا کر اٹھتے ہوئے انہوں نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر ایک اچٹتی سی نظر جانی پر ڈال کر اسے اپنے پیچھے آنے کا کہا۔

"سلام صاحب۔" دونوں کے الوداعی مصافحے کے بعد جاتے جاتے ایک بار پھر مڑ کر جانی نے ایس ایچ او صاحب کو سلام کیا اور زیدی صاحب کی تقلید میں تھانے کی حدود سے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے جہاں سیاہ چمکتی کرولا سے چار گز کے فاصلے پر کھڑی موٹر سائیکل پر بیٹھے بولی کو دیکھ کر جانی کے جسم وجاں میں خوشی اور اطمینان خون بن کر یوں دوڑنے لگا گویا میلے میں بچھڑ جانے والا بچہ اپنے کسی قریبی عزیز کو سامنے پاکر خوشی سے نہال اس کی طرف دوڑا چلا آ رہا ہو۔

بولی کو دیکھ کر ذہن میں بننے والا معمہ گویا ایک دم ہی جانی کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچتے پر زیدی صاحب نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کیا اور خود سیاہ کرولا کا دروازہ کھلنے پر اس میں بیٹھ گئے۔

❁......--×--......❁
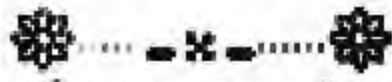
"یہ حفیظ آخر خود کو سمجھتا کیا ہے تو دیکھنا پپو اب آئندہ اگر اس نے بلایا بھی ناں تو نہیں جانے دوں گی اور لوگ بہت ہیں' ہونہہ......" آخر کار آج پپو حفیظ کے پاس گئی تھی مگر اس نے الٹے پاؤں واپس بھیج دیا تھا بغیر کسی کام اور دام کے۔ جس پر نانی کا چراغ پا ہونا پپو کی امید کے عین مطابق تھا۔

"بیوی جب روٹھ کر میکے گئی ہوئی تھی تب تو بڑی چاپلوسی کرتا تھا اور اب جب ہمیں ضرورت پڑی تو کیسا منہ پھیرلیا۔" جواب میں پپو خاموشی سے کپڑے بدل کر دیوار کے سہارے ٹھنڈے چولہے کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ چہرے پر عجیب ویرانی اور گرمیوں کی دوپہروں کی سنسانیت کا راج تھا۔ رانی اور گڈی بھی ایک کونے میں بیٹھی خیالی چیزوں کے ساتھ دنیا آباد کیے کھیل میں مصروف تھیں۔

باہر سے دوسرے بچوں کے شور وغل کی آوازیں آتیں تو وہ دونوں بھی لمحہ بھر کے لیے رک کر حسرت سے دیوار کو دیکھا کرتیں جس کے اس پار کھیلتے بچے ان کے لیے بہت بڑی اور واحد کشش تھی مگر نانی جس طرح پپو کو پہلے باہر نکلنے نہیں دیا کرتی تھی اسی طرح اب ان دونوں پر بھی باہر جانے پر پابندی تھی۔ یوں بھی اب جبکہ نانی ان دونوں کو مس جی کے روپ میں دیکھنے لگی تھی اب تو وہ کسی بھی قیمت پر دوسرے بچوں کے ساتھ بھیج کر ان کا ذہن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں پپو میں کہتی ہوں کتنا بدمعاش ہے ناں یہ حفیظ! پہلے تو دیکھ بیوی کا جوڑا بھی دے دیا کہ صاف ستھری ہوکر

آیا کر اور اب......" تاجی چولہے کو گھورتی چیو سے باتیں کررہی تھی لیکن وہ ہنوز لاتعلق سی بنی بیٹھی رہی۔ ذہن کی پرواز شاید سوچ کے کسی اور ہی آسمان پر تھی۔

"کہیں واپس تو نہیں مانگ لیا ناں اس نے کپڑوں کا جوڑا۔" تاجی نے قریب آکر بیٹھتے ہوئے اسے ٹہوکا دیا' جس کے چہرے پر اتری شام میں شہر خموشاں کی ویرانی بڑی اداسی سے رقصاں تھی۔ تاجی کے بار بار مخاطب کرنے پر آخر اسے لب کھولتے ہی بنی۔

"کپڑوں کا جوڑا تو نہیں مانگا' پر کہتا ہے اب کبھی نظر نہ آنا ادھر' بڑی مشکل سے رخسانہ واپس آئی ہے' اگر اسے ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو اس کا گھر اجڑ جائے گا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر تو رخسانہ کو بتا دینے کی دھمکی دے کر آخری دفعہ کچھ روپے تو لے آتی ناں کم عقل! ابھی اپنا دماغ بھی چلا لیا کر جتنا سکھاؤں بس اتنا ہی کرتی ہے۔" چیو نے تڑپ کر تاجی کو دیکھا' جس کے ماں ہونے پر اب اسے قطعاً یقین نہ رہا تھا۔ "گھر میں کچھ بھی نہیں ہے کھانے کو' یہ دونوں بھی تیری آس میں بھوکی کھیل رہی ہیں اس وقت سے' اب کیا کروں' کہاں سے لاؤں ان کے کھانے کو؟" تاجی نے سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی چیو کو بے زاریت سے دیکھا۔

"قیکا بھی کمانے والے پرزوں کو تو ساتھ لے کر مر گیا اور ان سوغاتوں کو میری جان کا عذاب بنا کر چھوڑ گیا۔" منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے تاجی نے آخری جملہ ادا کیا۔

"ویسا ماں تو نے کبھی سوچا نہیں کہ کیسی ماں ہے تو جو اپنے ہاتھوں سے بیٹی کی چادر اتار کر اسے بھرے بازار میں کھڑا کر رہی ہے اور اپنے منہ سے لوگوں کو متوجہ کر رہی ہے کہ ہے کوئی جو میری بیٹی کے ساتھ چند گھنٹے گزار کر ہمیں کچھ روپے دے۔" وہ باتیں جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھے اس کے ذہن میں لاوے کی مانند پک رہی تھیں بالآخر زبان پر آ ہی گئیں۔

"تو جانتی ہے ناں کہ پیغمبروں کے بعد سب سے بڑا رتبہ ماں باپ کا ہے' پر تجھے کیا پروا تیرے لیے تو پیسہ ہی سب سے بڑا پیر ہے۔ اسی کی خاطر تو نے ہماری عزت کے رکھوالے کو گھر سے باہر نکال دیا' صرف اس لیے کہ تیرے رستے میں کوئی کنکر پتھر باقی نہ رہے۔" لہجے کا ارتعاش اپنی جگہ لیکن جب ضبط کا پارہ نہ رہا تو چیو نے گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔ چیو کی باتوں نے چند لمحوں پہلے گرجتی برستی تاجی کو چونکا دیا تھا۔

"چیو......" گھٹنوں پر جھکے سر کو ہاتھ سے اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے پکارا مگر چیو نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کر دیا۔

"اماں! جس طرح چکنے گھڑے پر پانی کی بوند نہیں ٹھہرتی یا بھربھری دیوار میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ کیل کو مضبوطی سے جکڑے اسی طرح فطرتاً بدنیت اور لالچی لوگوں پر بھی نہ تو کوئی بات اثر کرتی ہے اور نہ ہی انہیں وقت اپنی پکڑ میں لیتا ہے اور تو انہی لوگوں میں سے ایک ہے۔" بات ختم کر کے وہیں رکے رہنے کے بجائے وہ اندر جا کر دیوار سے ٹیک لگا کر جا بیٹھی تھی۔ رانی اور چیو بھی تاجی کے سامنے رکنے کے بجائے دوڑتے ہوئے چیو کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ تاجی کو لگا تھا جیسے وہ دہری شخصیت کے ساتھ جیتی جا رہی ہے اور شاید اس کے اندر ایک اور انسان بھی موجود ہے جو بڑی زور زور سے اس کے دل کا دروازہ دھڑ دھڑ بجائے ہی چلا جا رہا تھا لیکن پاپی پیٹ کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں ایک بار پھر چیو کے لیے غصہ ابھرنے لگا تھا۔

اُدھر اپنی قسمت اور پھر مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے چیو کی آنکھوں سے جاری آنسوؤں کی لڑیاں اس کی قمیص کا دامن بھگونے لگی تھیں' وہ دامن جو بھی میلا ہونے کے باوجود بھی بے حد اجلا اور بے داغ تھا لیکن اب معاملہ قدرے مختلف تھا۔

❁......×......❁

فلیٹ کیا تھا جانی کے لیے تو وہ محل سے کم ہرگز نہ تھا کچی زمین کے فرش پر جابجا تاریں لگی چٹائی اور بائیوں اور فٹ پاتھ پر سونے والا جانی تو اس طرح کی زندگی کی

خواہش تو دور تک تصور نہ کرسکتا تھا۔ صاف ستھرا کچن' خوب صورت کمرے' چمکتے باتھ روم' سبھی اس کی دسترس میں تھے۔ لمبی نیند سے جاگا تو نرم بستر پر بیٹھے بیٹھے کمرے کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"ارے تُو کب سے جاگا ہوا ہے؟" بوبی کسی کام سے کمرے میں آیا تو اسے یوں ادھر اُدھر دیکھتے چونک گیا۔

"بس ابھی ابھی جگا ہوں' کوئی پانچ سات منٹ پہلے۔" بائیس انچ کے رنگین ٹی وی کی فلیٹ اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے وہ بولا۔

"اچھا چل ٹھیک ہے' یہ کپڑے ادھر تیرے لیے رکھے ہوئے ہیں' میں بھی ادھر ہی ہوں تُو اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر آجا۔" بوبی نے کمرے میں موجود الماری سے ہینگر میں لٹکے استری شدہ کپڑے نکال کر کرسی کی پشت گاہ پر رکھے اور جاتے جاتے مڑا۔

"جلدی آجانا میں چائے بنانے لگا ہوں' مل کر پیتے ہیں۔" جانی نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے جاتے ہی اٹھ بیٹھا' سامنے لگے وال کلاک پر نظر پڑی تو اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسے یہ پتا چلا کہ جیل سے آنے کے بعد جو وہ سویا ہے تو اب رات کے آٹھ بجے اس کی آنکھ کھلی ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد نہا دھو کر صاف ستھرے استری شدہ کپڑوں میں خود اپنے آپ کو وہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ شیو کیا ہوا چہرہ آئینے کے سامنے دھیان سے بنائے گئے بال بھی کچھ تو اس کے سابقہ حلیے کے برعکس تھا اور اب وہ کہیں سے بھی اٹھائی گیرا اور چور معلوم نہیں ہو رہا تھا اب تو وہ بالکل اسی فلیٹ کا رہائشی معلوم ہو رہا تھا۔

"کیوں بھئی! کیسی لگی یہ تبدیلی؟" بوبی نے سامنے صوفے پر بیٹھتے جانی سے دریافت کیا۔

"بہت اچھی لیکن میری اصل اوقات تو تم جانتے ہی ہو ناں۔" ایک جھجک بہرحال جانی کے رویے میں ضرور موجود تھی مگر بوبی نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جیب سے لائٹر نکالتے ہوئے بولا۔

"میں تجھے اپنی رہائی کے دوسرے ہی روز چھڑوا لیتا لیکن ......" سگریٹ کو ہونٹوں میں دبانے کے بعد لائٹر سے سلگا کر ایک لمبا کش لیتے ہوئے بوبی نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا جہاں صرف اور صرف سچائی رقم تھی۔

"چل چھوڑ جانے دے۔" دھوئیں کا مرغولہ ہوا میں چھوڑتے ہوئے بوبی نے کہا۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ جانی کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر پایا تھا۔

"کیا مجھ سے بھی چھپائے گا دوست' اپنے بھائی جانی سے بھی؟" جانی کے لہجے میں بے پناہ مان اور آنکھوں میں ڈھیر سارا خلوص تھا۔

"جس طرح میرا دکھ کسی اپنے کی طرح سن کر تُو نے میرے دل کو ہلکا کردیا تھا کیا میں تجھے اس قابل بھی نہیں لگتا کہ تُو اپنے دل کی بات کہنے کے لیے مجھ پر اعتبار کرسکے۔" جانی کی بات پر بوبی نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

یوں بھی اس وقت وہ کسی ہمدرد' غمگسار اور کسی بے حد اپنے کی کمی بڑی شدت سے محسوس کررہا تھا' جس کے سامنے وہ اپنے تمام دکھوں کے ساتھ آئینے کی طرح عیاں ہوجائے۔

"اچھا رُک' میں پہلے چائے بنا لاؤں۔" بوبی نے سوچا شاید چائے بنانے کے دوران وہ اپنی اس کیفیت سے باہر نکل پائے' تبھی اٹھنے کی کوشش کی مگر جانی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

"نہیں چاہیے کچھ بھی' تُو بول' کیا کہہ رہا تھا۔" بوبی نے گہری سانس لے کر دوبارہ دھنسے جانے کے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے جانی کو دیکھا۔

"اعتبار کر مجھ پر میں اتنا بُرا نہیں ہوں۔" اور پھر جانی کے بے حد اصرار پر اسے باپ کی وفات' بھتے پر ہونے والی اپنی لڑائی اور پھر زینب کی عزت بچاتے ماں کا قتل ہونا' سب ہی کچھ بتاتا چلا گیا۔

اس کی تمام کہانی سننے کے دوران جانی اپنی اور اس کی

ماں کا موازنہ کرتا رہا تھا اس کی ماں اپنی بیٹی کی عزت بچاتے بچاتے قربان ہوگئی جبکہ خود جانی کی ماں خوشی خوشی اپنی بیٹی کو دام بڑھوانے کے گر سکھا رہی تھی۔ اس کے اپنے دل پر رفتہ رفتہ بوجھ بڑھ رہا تھا۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟" اپنی اندرونی کیفیات کو چھپائے وہ بڑے سکون سے بوبی کی تمام بات چیت سن رہا تھا۔

"ہونا کیا تھا' ڈاکٹر فروا خدا ترس خاتون تھیں اور انہیں بوا پر اعتماد بھی بہت تھا کہ وہ ایک عرصے سے ان کے ساتھ تھیں اور جس وقت اماں فراز کے سامنے گڑگڑا رہی تھیں وہ سب باتیں بوا نے سن لی تھیں اور ساری بات من و عن ڈاکٹر صاحب کو بتادی تو انہوں نے ہی میری اور زینب کی ضمانت کروائی۔" ہوا میں جاتے سگریٹ کے دھوئیں کو بغور دیکھتا بوبی شاید اس وقت کسی اور ہی دنیا میں تھا سو جانی نے بھی مداخلت کرنا مناسب نہیں سمجھا' کچھ دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

"تب سے اب تک زینب بوا کے ہی پاس ہے۔"

"اور فراز......؟" اپنے تئیں بات ختم کرکے جانی کی طرف دیکھنے پر اس کی طرف سے ایک اور سوال سامنے آیا تھا۔

"میں انتقام کی آگ میں جلتا فراز کو ختم کرنے کے لیے اس کے گھر تک پہنچا تو ضرور لیکن یار اس کی ماں کے جوڑے گئے بوڑھے ہاتھوں نے میرے ہاتھ باندھ دیئے۔ تب سے لے کر اب تک مختلف قسم کی ڈکیتیاں کرتا اور زندگی چلاتا آ رہا ہوں۔ ماں کے بغیر چین ہی نہیں آتا' بس ایسا ہی سمجھ لے کہ ایک پیاس ہے جو کسی بھی طرح بجھتی ہی نہیں۔" سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس نے انگلیاں بالوں میں پھنسائی تھیں۔ اضطراب اس کی ایک ایک حرکت سے جھلک رہا تھا۔

"اگر فراز کو مار ڈالتا تو شاید آج دل کی بے چینی اس قدر نہ ہوتی لیکن یہ خیال کہ میری بہن پر بری نظر ڈالنے والا اور میری ماں کے خون سے رنگے ہاتھوں والا فراز اسی شہر میں زندہ گھوم پھر رہا ہے مجھے جینے نہیں دیتا۔" بے بسی سے اس نے ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکا بنا کر مارا۔

"کاش کہ اس دن فراز کی ماں میرے سامنے نہ آئی ہوتی' اس کی گڑگڑاہٹ اور آنسوؤں میں مجھے اپنی ماں نظر نہ آئی ہوتی تو آج صورت حال بہت مختلف ہوتی۔" جانی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیتے ہوئے تنہا نہ ہونے کا احساس دلایا تھا۔

"آج کل کے دور میں فراز جیسے انسانوں کی وحشت' ظالم اور کمینگی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذہن سے موت کا تصور نکل گیا ہے میرے دوست! بدکردار اور بدنیت لوگوں کے ہاتھوں شریف اور باکردار لوگوں کا وجود ایسا ہی ہے جیسے درختوں کی چوٹی سے پھل گرانے کے لیے بچے ان پر لمبی لمبی بانس نما لکڑیوں سے ضربیں لگاتے ہیں انہیں جھاڑتے اور ہلاتے ہیں مگر بعض اوقات اس ساری تگ و دو کے بعد بھی پھل ہاتھ نہ آنے پر غصے سے جھنجلا کر ان کی ٹہنیاں تک توڑ دیتے ہیں اور پتوں تک کو نوچنا نہیں چھوڑتے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن ماں...... کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس پر ماں کے رونے بلکنے کا اثر نہ ہو۔" بات کرتے کرتے بوبی کا اپنا گلا رندھ گیا تھا۔

"ویسے ایک بات بتا یار! یہ ساری مائیں اتنی عظیم کیوں ہوتی ہیں؟ کیوں اولاد کی خوشی پر اپنی ہر حسرت قربان کردیتی ہیں؟ خود بھوکا رہ کر اولاد کے منہ میں نوالہ ڈالنا یہ بھلا ماں کے علاوہ کوئی کرسکتا ہے کیا؟" بوبی کی بات پر جانی ایک دم یوں چونکا جیسے بہت گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔

لفظ ماں گویا اس ایک لمحے میں کرنٹ بن کر اس کے جسم میں دوڑا تھا جبھی چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور ہاتھ پاؤں ساکت ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

(تیسرا حصہ آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Digest.pk
وہی ایک لمحہ زیست کا
فاخرہ گل

عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید

کشکول میں جس روز کوئی بھیک نہ ہوگی
وہ رات میری قوم پہ تاریک نہ ہوگی
اس شہر کے ماتھے پہ لکھی ہے تباہی
جس شہر کے مکتب کی فضا ٹھیک نہ ہوگی

"ماں" یہ کیسا سہ حرفی مختصر سا لفظ تھا جو اپنے اندر پوری دنیا سموئے ہوئے تھا جس کے بغیر گھر..... گھر نہیں لگتا اور جس کے نہ ہونے سے دنیا میں جی نہیں لگتا اور بوبی کو کس قدر عقیدت تھی اس سہ حرفی لفظ سے جڑے رشتے سے جانی اس کے انداز سے سوچ میں پڑ گیا تھا۔

یہ سچ تھا کہ دونوں کا دکھ سانجھا تھا لیکن انداز بہر حال راوی کے دو کناروں کی طرح بالکل ہی جدا تھا اور شاید یہ دکھوں کی مماثلت جتنی جلدی دو انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتی ہے اتنی جلدی خوشی کے لمحات میں کھلنے والی پھلجڑیاں بھی نہیں کرتیں اور یہی وجہ تھی کہ اپنائیت کا ایک احساس دونوں کے گرد محبت کے مقناطیسی ہالے کی طرح ایک ہالہ سا بنتا جارہا تھا اور جانی دل ہی دل میں [illegible] ماں کی عظمت کو ہاتھ باندھے سلام کررہا تھا۔

"یار میری ماں نے شروع سے ہی ہمارے لیے بہت قربانیاں دیں خود بھوکا رہ کر ہمیں کھلایا اور وہ بھی یوں کہ اپنی بھوک ہم پر ظاہر تک نہ ہونے دی مگر میں اس کے لیے کچھ نہیں کرسکا' کچھ بھی نہیں۔" ہتھیلی سے آنکھیں مسلتے ہوئے وہ بچوں کی طرح رو دیا' پھر سامنے جانی جیسا ہمدرد اور مخلص دوست تھا' الفاظ ندی کے بہتے پانی کی طرح بغیر رکے بڑی روانی سے اس کے منہ سے نکلتے ہی جارہے تھے بوبی اس وقت اپنے فرسٹریشن کی وجہ جانی کی سماعتوں کے حوالے کررہا تھا۔

"اوران دنوں جب تُو جیل میں تھا ناں' بہن کی شادی بھی بوا نے اپنے بیٹے سے کردی۔ میں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس سے ملنے پہنچا تو اس نے مجھے الگ لے جاکر آئندہ وہاں آنے سے بھی منع کردیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سسرال میں کسی کو بھی پتا چلے کہ وہ ایک چور اچکے کی بہن ہے بلکہ میرے بجائے وہ صرف اور صرف ماں کے تعارف کا [illegible] جس پر وہ فخر محسوس کرتی ہے۔" بوبی سے مزید بولا [illegible] آنسو گولہ بن کر اس کے حلق میں آ پھنسے [illegible] کہ اس کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہنے [illegible] شاید اس سے بھی سوا تھا۔

"تو یار [illegible] چھوڑ دے ناں یہ کام لعنت بھیج اس پر اور [illegible] کے ساتھ عزت کی زندگی گزار۔" جانی نے تجویز دی تو وہ روتی آنکھوں سے ایک پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

"یار یہ حوالہ اب میری جان نہیں چھوڑے گا' پولیس والے بھی یار دوستوں کی طرح جب چاہے اپنا مہمان بنا لیتے ہیں اور ویسے بھی رہوں کہاں؟ اب میں بہن کے گھر جاکر تو رہنے سے رہا۔"

"ہوں..... " جانی لاجواب ہوگیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا کہ تُو مجھے خود سے اتنا قریب کیوں لگا شاید اس لیے کہ تُو بھی اپنی ماں سے میری طرح بہت محبت کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم دونوں کی مائیں واقعی عظیم ہیں۔" آنسو بہنے سے دل کا غبار کسی حد تک وقتی طور پر دھل گیا تھا سو ایک بار پھر سگریٹ سلگائی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے پاؤں پھیلا لیے لیکن جانی کا دل ایک دم چیخ اٹھا تھا۔

اس کی ماں اور بوبی کی ماں بھلا ایک جیسی کہاں تھیں

اوران دونوں کوایک سا عظیم قرار دینے پر جانی کا دل احتجاجاً بلک ہی اٹھا تھا۔

کیا صرف ایک بچے کو جنم دینے سے ہی عورت ماں کی عظمت کو چھو جاتی ہے؟ کیا سات پردوں میں اپنا وجود ڈھانپنے والی اور گھنگھرو باندھ کر تماش بینوں کے سامنے رقص کرنے والی دونوں عورتیں ماں ہیں تو ان کے قدموں تلے جنت کا ہونا یقینی ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پیدا کرنے کے فوراً بعد بچے کو کچرے کے ڈھیر پر پھینک دینے والی ماں جن قدموں سے اس ننھے فرشتے کو روتا بلکتا چھوڑ جائے کیا ان قدموں تلے بھی جنت ہوتی ہے اور پھر کہاں اپنا پیٹ کاٹ کر بچوں کا پیٹ بھرنے والی کردار کی بلندیوں کو چھوتی عظیم ماں اور کہاں پیٹ بھرنے کی خاطر روح گروی رکھ کر خود اپنی اولاد کا جسم بیچنے والی عورت......

یہ کیسا تضاد تھا اور کیا ایسی عورت کو ماں جیسے خوب صورت اور پاکیزہ لفظ سے پکارنا ٹھیک تھا؟ کیا وہ ماں کہلانے کے لائق تھی؟ دل تھا کہ اس ناانصافی پر بھڑک اٹھا تھا اور مجسم سوال بنا ہوا تھا کہ دو مختلف رویوں اور کردار کی مالک عورتوں کو ایک ہی منصب پر فائز کر دینا کہاں کا انصاف تھا؟

بوبی نے اسے کچھ دیر تک خاموش بیٹھا دیکھا تو آتش لے کر سگریٹ کی راکھ ٹیبل پر رکھے ایش ٹرے میں منتقل کرتے ہوئے بولا۔

"جانی یار میں نے ایک بات سوچی ہے۔" اس کا خیال تھا کہ جانی اس کی طرف دیکھے گا اور پوچھے گا کہ اس کے ذہن میں ایسی کیا بات آئی ہے مگر پوچھنا تو در کنار جانی نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے بھی نہیں دیکھا۔ سو لمحہ بھر انتظار کے بعد بوبی نے خود ہی اپنا جملہ مکمل کرنا شروع کیا۔

"میں نے سوچا ہے کہ منزل تو میری اور تیری ایک ہی ہے ناں تو کیوں ناں رستہ بھی ایک ہی ہو جائے اور اسی لیے آج سے ہم دونوں اکٹھے ہی کام کیا کریں گے۔" بوبی اب یقیناً اس کی رائے جاننا چاہتا تھا مگر وہ اپنے حواسوں میں ہی کب تھا ماں کی کسک اس کا سینہ یوں جکڑنے لگی تھی گویا دمے کا کوئی پرانا مریض سانس لینے کی کوشش میں ہانپ رہا ہو اور کشادہ کمرے میں ایک دم قبر سی گھٹن کا احساس ہوا تو وہ خواہ مخواہ گلاس میں پانی ڈال کر غٹاغٹ پی گیا۔

"یار میری ماں تو اس دنیا میں رہی نہیں پر تیری تو ابھی زندہ ہے ناں اس کی قدر کر لے ورنہ بڑا پچھتائے گا۔" اپنے سوال کے جواب میں خاموشی اور اس کا اضطراب بوبی کو یہ سمجھا گیا تھا کہ وہ اس وقت اپنی ماں کی یاد سے نبرد آزما تھا سو اپنے تئیں سمجھانے لگا یہ جانے بغیر کہ ماں کا ذکر اس کے لیے کتنا تکلیف دہ ہے۔

❀ ❀ ❀

کسی کا ایک لمحے کو جینا تمام عمر پہ بھاری ہوتا ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کے لمحے کے وقت نزدیکی کا ادراک بھی رکھتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ پچو کے ساتھ بھی ہوا تھا اور ادراک رکھنے کے ہی باعث اس نے ماں کو اس کی بلندی اور اپنی پستی سمیت کھلی آنکھوں سے قبول کیا تھا۔

حفیظ کے پاس چند مرتبہ جانے کا معاملہ تا حال بستی والوں سے پوشیدہ تھا اور اس کے مخفی رہنے میں ہی حفیظ اور ان کی بھلائی تھی یوں بھی تاجی کی عزت رکھنے کے لیے پچو نے حفیظ کے سامنے اسے لاعلم ہی ظاہر کیا تھا اور اس سب عمل کو اپنا انفرادی فعل قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی ماں کو اعلیٰ رتبہ ہی دیا تھا۔ جانی کے گھر سے جانے کے بعد وہ تین مرتبہ وہ تاجی کے زبردستی بھیجنے پر اور چھوٹی بہنوں کو اس کی بہیمانہ مار سے بچانے کی خاطر حفیظ کے پاس گئی تھی اور ہر مرتبہ ملامت کا بوجھ اپنے سینے پر لے کر واپس آئی اور پھر یہ سوچ کر کہ جانی صرف اس کی حمایت کرنے کے الزام میں ماں سے گالیاں کھاتا ہوا یہ گھر چھوڑ گیا تھا سو اب اسے بھی اپنی حفاظت خود ہی کرنا ہوگی۔ اس نے ایک اٹل فیصلہ لیتے ہوئے تاجی کی گالیاں جھڑکیاں اور یہاں تک کہ مار بھی کھائی لیکن وہ اب فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ ذمہ

داری خود رازق کی تھی جس نے اسے اور اس کی دونوں معصوم بہنوں کو دنیا میں بھیجا تھا اس لیے پیٹ کا خالی برتن جو ہر دو گھنٹے بعد پھر خالی ہو جاتا ہو اسے بھرنے کے لیے وہ خود کو نیلامی کا مال نہیں بنائے گی۔

لیکن ان تمام حالات اور واقعات کے باوجود اس کے ضمیر نے گوارہ نہیں کیا کہ وہ کسی کے بھی سامنے اپنی ماں کا بھرم توڑے۔ اس دن بھی جب سارا دن تھک ہار کر سورج ابّا سمان کی سرخی اور شیالی چادر میں منہ چھپانے کو بے تاب تھا اور بستی کے لوگ عین بستی کے درمیان موجود ایک کشادہ میدان نما جگہ پر اکٹھے بیٹھے اپنے دن بھر کی روداد سناتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے میں مصروف تھے جب ناجی کے کانوں میں کہیں سے یہ بھنک پڑی کہ حفیظ کی بیوی ایک بار پھر روٹھ کر میکے چلی گئی ہے اور نوبت اب طلاق تک جا پہنچی ہے خبر تھی یا کہ تقرری کا پروانہ۔

سب لوگوں کی گفتگو چھوڑ کر وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی اور کشاں کشاں گھر کے اندر قدم رکھتے ہی نہایت جوش و خروش سے پچو کو خبر سنائی اور کچھ دیر اس کے جواب کا [illegible] کیا لیکن اپنے چہرے پر موجود خوشی کی چمک کے سامنے وہ پچو کی آنکھوں میں اترتے اس دریا کو [illegible] دیکھ نہیں پائی تھی جو شاید طغیانی بپا کرنے کے [illegible] کیا تھا۔

"اب تو دیکھنا پچو اب جب [illegible] جائے گی تو وہ ہرگز ویسا نہیں بھیجے گا بلکہ اس دفعہ پیسے بھی زیادہ [illegible] گا اور ہاں....." پچو کے مزید نزدیک ہو کر اس نے سرگوشیانہ انداز میں منہ پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

"ان لمحوں میں مرد سے جو چاہو منوا لو اپنے مطلب کے لیے مرد ذات بڑے دیالو بن جاتے ہیں بلکہ تو اس دفعہ فرمائش بھی کر دینا۔"

اس نے اپنی چندھی چندھی آنکھیں پھیلاتے ہوئے پچو کو دام بڑھانے اور مراعات حاصل کرنے کے گر بتائے تھے لیکن پچو خاموش رہی۔ جانتی تھی کہ اس پر کوئی بات اثر کرنے والی نہیں ہاں البتہ اس کے بات کرنے کے نتیجے میں رانی اور گندی کو پچھلی دفعہ بھی اتنی مار پڑی تھی کہ دونوں رات کو سونے کے دوران بھی کراہتی رہیں جبکہ ناجی کا خیال تھا کہ وہ یہ سب انہی کے بھلے کے لیے کر رہی ہے اور اگر پچو چھوٹی بہنوں کے بہتر مستقبل کے لیے ذرا سی قربانی دے دیتی ہے تو اس میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔

"جا...... ناں کس سوچ میں پڑ گئی؟ اٹھ تیار ہو جا گلی کی نکڑ تک تجھے میں خود چھوڑ آتی ہوں۔" ناجی نے سوچوں میں بھٹکتی پچو کا کندھا ہلایا تو جیسے وہ کسی خواب سے جاگ گئی اور اس لیے کہ وہ ایک بار پھر مزاحمتی رویہ اپناتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کرتی' رانی خالی ماچس کی ڈبیوں سے کرسی میز اور چارپائی بناتے بناتے اٹھ کر ناجی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور سر کھجاتی ناجی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی توجہ اپنی [illegible] طرف مبذول کروائی۔

"[illegible] کیا ہے؟" چند لمحوں پہلے پچو کے ساتھ لفظوں کی [illegible] یکدم بات کی رسی کا کھردرا لہجہ پچو کو بری طرح [illegible] تھا مگر رانی ابھی شاید لہجوں کا فرق سمجھنے کے [illegible] میں تھی اور نہ ہی ابھی اس کی اتنی عمر تھی کہ ان باتوں [illegible] محسوس کرتی۔

"اماں مجھے بھی پچو کی طرح حفیظ کے پاس بھیج ناں......" ناجی کے چیتھڑے اور میل سے بھرے ناخنوں والی پانچوں انگلیاں رانی کے ہاتھ میں تھیں اور وہ اس کا ہاتھ جھلاتے ہوئے اسی طرح ضد کر رہی تھی جیسے عموی طور پر بچے ٹافی بسکٹ لینے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

"قسم سے پچو سے بھی زیادہ پیسے لاؤں گی اور وہ مفت مجھے ٹافی بھی دے دے گا۔ رانی اپنے جانے کے فوائد گنواتے ہوئے پچو کی حیرت سے پھیلتی آنکھوں میں اترتی موت سی دہشت بھلا کہاں دیکھ رہی تھی۔

"اور اماں تجھے پتا ہے وہ حفیظ جو ہے ناں وہ زیادہ پیسے کب دیتا ہے؟" رانی نے ساکت بیٹھی ناجی سے پوچھا اور جواب نہ ملنے پر خود ہی بولی۔

"جب میں سرخی پاؤڈر لگا کر منہ میں الائچی ڈال کر اس کی بیوی کا جوڑا پہن کر اس کے پاس جاؤں گی ناں تو

پہلے وہ اپنی دکان کا دروازہ بند کرے گا پھر میرے پیچھے کھڑا ہو کر میرے بال کھولے گا اور پھر......" ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی چچو سے کروائی گئی پولی کھولتے ہوئے وہ اپنی ہی روانی میں ہر ایک بات جوں کی توں عملی طور پر دہرا رہی تھی۔ وہی سب کچھ جو وہ دکان میں دیکھا کرتی تھی اور یہی نہیں بلکہ ناجی کو اپنی بہترین کارکردگی کا یقین دلانے کے لیے اس نے گنڈی کو بطور خود استعمال کرتے ہوئے خود حفیظ کا کردار نبھالیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ حد سے بڑھتی ناجی کو جیسے ہوش آ گیا۔

"رانی...... بے غیرت...... بکواس بند کر اپنی۔" اس نے حلق سے آواز لگا کر چلاتے ہوئے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے معصوم چہرے پر جڑ دیا تھا اس اچانک افتاد پر حواس باختہ رانی یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ غلطی کہاں پر ہوئی ہے اور اسی حیرت میں وہ نہ تو روسکی اور نہ چیخی۔ بس گال پر دونوں ہاتھ رکھے اس کی انگلیوں کے نشانات کو ڈھانپے سہم کر اپنی ماں کو دیکھنے لگی جو اس کی سو فیصد کارکردگی پر خوش ہو کر اسے سراہنے کے بجائے مار رہی تھی۔

"اچھا اماں! میں اسے کچھ بھی کرنے نہیں دوں گی میں اسے کہوں گی کہ میری اماں بڑی ہیں ناں تم پہلے انہیں [illegible] اور تب تک مجھے تھوڑی سی ایم جے دو [illegible] میں چپ چاپ سو جاؤں گی اور تم جب تک [illegible]" رانی بڑی ہی معصومیت سے [illegible] اسے اپنے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلا رہی تھی۔ الفاظ ٹوٹے ٹکڑے ہو کر ہچکیوں کی صورت منہ سے نکل رہے تھے مگر ناجی کا ردعمل اب کچھ عجیب سا تھا۔

"چپ ہوتی ہے کہ زہر دے دوں تجھے؟" ناجی بولی ضرور مگر نہ تو آواز میں غراہٹ تھی نہ لہجے میں کوئی گھن گرج بلکہ محسوس ہوتا تھا یہ بات اس نے خود اپنے آپ سے کی ہے آنکھیں پھاڑ کر وہ یوں چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے بینائی چھن گئی ہو اور وہ کوئی بھی منظر ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کی حسرت میں گم ہو۔

رانی کی باتوں نے چچو کی آنکھوں میں ٹھہرے دریا کو بھی ٹھاٹھیں مار کر کنارے پار کرنے پر مجبور کر ڈالا اور آج تو دل کو ایسی گہری چوٹ لگی تھی کہ اس نے خود بھی لہروں کے اس منہ زور ریلے پر بند باندھنے کے بجائے کھل کر بہہ جانے کا موقع دیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

چاندنی راتوں اور تپتی دوپہروں میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ بچپن سے گنڈی کی طرح دانستہ ایم کھا کر سونے والی رانی کا معدہ اب اس خوراک کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ زیادہ مقدار کو بھی قبول کر لیتا تھا جبھی تو حفیظ کی دی گئی ایم سود مند ثابت نہیں ہو پائی تھی اور تجسس کے مارے اس نے بھی اسی طرح پنکھوں کی جھریوں کی مدد لی جس طرح چاندنی راتوں میں چچو بازو کی اوٹ کا استعمال کرتی تھی اور چونکہ ناجی اور [illegible] والدین تھے سو چچو کو لگتا کہ کچھ بھی قابل اعتراض [illegible] والدین کبھی کچھ غلط نہیں کرتے۔ بالکل اسی طرح [illegible] کا [illegible] کے نزدیک چچو کا تھا اور اس کے [illegible] کو قابل گرفت نہ سمجھتے ہوئے ہی رانی نے بڑی دیدہ دلیری [illegible] جوش وخروش کے ساتھ اپنا آپ کو پیش کیا تھا۔

جائز اور ناجائز کے درمیان موجود ایک باریک سی لائن معدوم ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی لمحے وقت کا ناقوس اس شدت سے بجا کہ ناجی نے دھواں ہوتی آنکھوں کو زور سے بند کرتے ہوئے دونوں ہاتھ بڑی مضبوطی سے اپنے سائیں سائیں کرتے کانوں پر رکھ دیے۔ سر دھنتا دماغ اب ایک دم بڑی شدت سے سن ہو رہا تھا اور پھر جیتے بتھائے اس کے دماغ میں جانے کیا آئی کہ ایک دم بڑی شدت سے سینہ کوبی کرنے لگی۔ رانی اور گنڈی یوں ناجی کے اس اچانک اور وحشت ناک عمل سے خوفزدہ ہو کر چچو کے پاس آ بیٹھی تھیں اور بڑی حیرت سے ماں کو سینہ پیٹتے دیکھنے لگیں مگر ناجی شاید اس بات سے بے خبر تھی کہ سینے میں ضمیر کی لگائی ہوئی آگ یوں بھی کبھی بجھی ہے بھلا۔

❀......❀......❀

چھوٹی موٹی چوریاں کرنے والا جانی اب بوبی کے ساتھ باقاعدہ ڈکیتی کی وارداتوں میں شامل رہنے لگا تھا

لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ آئے روز لوٹ مار کرتے ہوں ہاں البتہ جب ایک ڈکیتی سے حاصل کی گئی رقم ختم ہوتی تو دوسری کا منصوبہ بنایا جاتا۔

"یار بوبی!" جانی نے پزا ختم کرنے کے بعد ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کیے اور کولڈ ڈرنک شیشے کے صاف شفاف گلاس میں انڈیلتے ہوئے سامنے بیٹھے بوبی سے مخاطب ہوا جو نئی لائی گئی ڈی وی ڈی کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بول۔" جواب بھی مختصر ہی ملا تھا۔

"میں سوچتا ہوں جان ہتھیلی پر رکھ کر ہم یہ سارا روپیہ پیسہ جو اکٹھا کرتے ہیں تو آخر کس لیے جب کہ نہ تو ہمارا کوئی گھر ہے اور نہ ہی گھر کا سکون۔" ایک گھونٹ لے کر اس نے گلاس واپس رکھ دیا تھا بوبی نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

"لگتا ہے آج پھر تجھے ڈپریشن کا دورہ پڑنے والا ہے۔" اس نے بات کو ہنسی میں اڑانا چاہا مگر جانی مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔

"اچھا چل اگر میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں تو بتا کیا بس یہی ہے ہماری زندگی؟"

"اب یار تو بھی ناں! کبھی کبھار تو ایسے موڈ کا بیڑہ غرق بلکہ ستیاناس کر کے رکھ دیتا ہے۔" بوبی نے [illegible] کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی [illegible] ایک طرف رکھی اور اس کے چہرے پر اپنی [illegible] نظریں ٹکاتے ہوئے بولا۔

"ہوں...... تو تجھے سکون چاہیے اور یہ جو روپیہ پیسہ ہے تو اسے اکٹھا بھی نہیں کرنا چاہتا۔" جانی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا جو کچھ سوچ رہا تھا اور ایک دم جیسے ذہن میں کوئی آئیڈیا آنے پر اس نے چٹکی بجائی۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے آج تجھے ایک نئی دنیا کا نظارہ کرواتا ہوں اور تیرے طفیل خود بھی آج اس دنیا کو نزدیک سے دیکھتا ہوں۔" دائیں آنکھ بند کر کے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بوبی نے کہا تو جانی اس کی معنی خیزی پر الجھ کر رہ گیا۔

"لیکن کہاں اور کون سی دنیا میں؟"

"او یار تو اٹھ تو سہی وعدہ کرتا ہوں مریخ پر نہیں لے جاؤں گا اعتبار کر میرا۔" اور پھر جانی نے مزید تکرار کرنے کے بجائے جوتے پہنے موبائل جیب میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

❀......❀......❀

رقص کو اعضاء کی شاعری اور اداؤں کو قاتل کیوں کہا جاتا ہے ابروؤں کی ہلکی سی جنبش پر گھروں کا سکون کیسا غارت ہو جاتا ہے اور زلفوں کی گھنیری سیاہ رات بے چین مسافروں کو اپنی مدہوش پناہ اور پرکشش سحر میں کس طرح جکڑتی ہے ان تمام باتوں کا مفہوم ان پر آج یقینی طور پر آشکار ہونے جا رہا تھا۔

[illegible] تقریباً پون گھنٹہ کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ دونوں ایک گنجان آباد محلے میں داخل ہوئے تھے تنگ [illegible] اور [illegible] کے طرز تعمیر میں پرانے نقش و نگار کا [illegible] طرح کی فضا تھی یوں لگتا تھا کہ گلی [illegible] داخل ہوتے ہی وہ کسی کیمرے کی زد میں تھے اور [illegible] نسیں انہیں بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں اور آخر کار اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بوبی اور جانی ایک تین منزلہ گھر کے سامنے جا رکے۔ اطلاعی گھنٹی بجانے پر اندر سے ایک ادھیڑ عمر آدمی پان چباتا ہوا آن کی آن میں باہر نکلا اور ان کے ظاہری حلیے سے انہیں کوئی امیر آسامی سمجھ کر خوشدلی لہجے میں بولا۔

"جناب والا! اندر آئیں گے کیا؟" بوبی نے یہ جتایا کہ وہ لوگ نئے نہیں ہیں ایڑی کے بل گھوم کر ارد گرد موجود گھروں پر بھی اچٹتی سی بے پروا نظر ڈالی جہاں شام کے پھیلے ہوئے ہلکے ہلکے دھندلکے میں گھروں کے بیرونی دروازوں پر بجھے بلب کی زرد روشنی دیواروں پر شوخی کے بجائے مایوسی اور دکھ بکھیر رہی تھیں۔

"کیا خیال ہے جانی! چلیں اندر؟" بوبی نے جانی سے رائے مانگی تو اس نے پینٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکالے بغیر ہی کندھے اچکا دیئے جس طرح لوٹ کے اوپر

یہ عبارت جلی حروف میں درج ہوتی ہے کہ حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا۔ اسی طرح بوبی نے بھی چند کھڑکھڑاتے نوٹ مطالبے کے جواب میں ادا کیے اور اسی کی پیروی میں تنگ سیڑھیوں کے ذریعے پہلی منزل تک جا پہنچے جہاں گلے میں سرخ مفلر لٹکائے سر پر دائیں طرف ٹوپی کا جھکاؤ رکھتے ہوئے اسی عمر کا ایک اور شخص موجود تھا۔

"سرکار خوش آمدید! بڑی قسمتوں والے ہوگئے ہم آج کہ آپ جیسے امیرزادے ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے۔" جانی اور بوبی دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ اس بات کا اب کیا جواب دیا جاتا ہے مگر اس شخص نے ان کی الجھن کی سلجھن پیش کردی۔

"سرکار اندر جا کر تو نوٹوں کی بارش کرتے ہیں آپ جیسے نئی شہزادے! تو اگر آپ کو بڑے نوٹ کا کھلا چاہیے تو سرکار میں حاضر ہوں۔"

اس کی بات کا مقصد سمجھ کر بوبی نے پانچ ہزار کے نوٹ کا کھلا کرواتے ہوئے دس روپے کی چند گڈیاں لے کر کچھ اپنے اور جانی کے جیب میں ڈال دیں اور [illegible] سیڑھیاں عبور کرتے وہ تیسری منزل پر [illegible] کے سامنے کھڑے تھے جس کے اندر ان کی منزل تھی اور اندر جا کر ان کی حیرانی کو جو عالم تھا وہ ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھا کہ وہ جو یہ سوچے بیٹھے تھے کہ شاید وہ ہی دونوں آج یہاں آئے ہیں اس عالی شان محل نما وسیع ہال کو بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ نیم دائرے کی شکل میں دو لائنیں بنائے اور بھی کئی تماشائی ان سے پہلے وہاں بیٹھے تھے کسی کو کسی سے شرمندگی ہو رہی تھی اور نہ ہی کوئی خود کو چھپانے کی کوشش میں تھا بلکہ ان کے اطمینان کا یہ عالم تھا گویا وہ اس وقت کسی ہوٹل کے پُرسکون گوشے میں موجود ہیں۔ جانی اور بوبی نے ایک دوجے کو دیکھا اور اپنی گھبراہٹ پر مکمل قابو پاتے ہوئے باقی تمام لوگوں کی طرح اس قاتل حسینہ کے انتظار میں بیٹھ گئے جو چند ہی لمحوں بعد ان پر بجلیاں گرانے کو تیار تھی سوا اس منفرد اور انوکھے تجربے سے محظوظ ہوتے ہوئے ابھی انہوں نے گردوپیش کا جائزہ لینا شروع کیا ہی تھا کہ ایک اوچی آواز پر چونک گئے۔

میک اپ سے لیس ایک ادھیڑ عمر عورت جارجٹ کی ڈارک بلو ساڑھی کا پلو دانستہ اپنے نیم عریاں سڈول بازو کو ڈھانپنے کے بجائے بڑی ادا سے کندھے پر سے گراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی' سبھی نظریں اس کی طرف تھیں تو یہ اطمینان ہونے کے بعد سب اسے دیکھ چکے ہیں پلو بڑے محتاط انداز میں دوبارہ کندھے پر اس انداز سے لٹکایا کہ چند ہی لمحوں بعد اس کا پھر سے گر جانا شرطیہ تھا۔ اس پر سفید سلیولیس شارٹ بلاؤز پر ساڑھی کا ہم رنگ دکھنے کا نفیس سا کام جسمانی خطوط کو واضح کرتے ہوئے واقعی بلا کا غضب ڈھا رہا تھا۔

"جی تو حضور! آپ سب کیا لینے گا؟ مغنیہ اور سازندوں کو کہا جائے یا پھر ریڈی میڈ فوڈ سے ہی کام چلایا جائے۔" ہونٹوں سے زیادہ آنکھوں سے باتیں کرتے ہوئے اس نے سامنے رکھے ڈیک اور اس کے دونوں طرف بجائے خوب صورت سے ریک میں رکھی لاتعداد سی ڈیز کو ریڈی میڈ فوڈ کہہ کر رمائے چاہی تو اکثریت نے سی ڈیز کے استعمال کو ہی ترجیح دی۔

"جو آپ کا حکم۔" بڑی ادا سے پیشانی تک ہاتھ لے جا کر پلکوں کو جھکاتی ہوئے اس نے تعمیل ہو جانے کا عندیہ دیا اور دعوت نظارہ دیتی بڑے ردھم سے چلتی ہوئی منظر سے غائب ہوگئی۔

دائیں طرف موجود سنگ مرمر کے تخت پر ستار طبلہ اور ہارمونیم وغیرہ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہوئے یہاں کی دوپہروں کی طرح خاموش اور سنسان معلوم ہوئے۔ اس خاتون کے چلے جانے کے بعد بوبی اور جانی نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وہاں اسی ماحول میں گم ہوگئے۔

اسی دوران سفید چوڑی دار پاجامے چھوٹی سی قمیص اور سر پر کپڑے کی ٹوپی جمائے ایک سترہ اٹھارہ سالہ لڑکا ہاتھ میں اسٹیل کا بڑا سا تھال لیے اندر داخل ہوا اور سب کو فرداً فرداً آداب کرنے کے بعد تھال ان کے سامنے پیش کرتا

گیا جس میں حاضرین کی تعداد سے زائد مقدار میں بیٹھے پان بڑی خوب صورتی سے سجائے جانے کے ساتھ ایک جانب سونف' گل قند' زعفران اور چند دوسری اشیاء چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں کی صورت میں موجود تھیں تاکہ اپنی اپنی پسند اور ذائقے کے حساب سے پان میں شامل کرلی جائیں۔ تواضع کرنے کے بعد اس نے تھال ہارمونیم کے قریب رکھتے ہوئے سفید جالی دار پوش سے ڈھانپا اور خود جس طرف سے آیا تھا وہیں لوٹ گیا جب ہی میرون اور ہلکے سرمئی رنگ کے امتزاج والے سلک کے بھاری پردوں سے گھنگھروؤں کی ہلکی ہلکی گنگناہٹ کے ساتھ موسیقی کے ردھم کی طرح لچک دار انداز میں قدم اٹھاتی ایک خوب صورت دوشیزہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ سب کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔

وہ خاتون بھی اس کے ساتھ ہی ستائشی نظروں سے ماحول کو دیکھتیں تو کبھی اپنی پروڈکٹ کو اور پھر وہاں کے بیچ قطعی طور پر حائل ہونا نہیں چاہتی تھیں جبھی سنگ مرمر کے تخت کی جانب بڑھ گئیں اور اپنی مخصوص جگہ سنبھالی۔

وہ ساحرہ جس کی اداؤں سے فیض یاب ہونے کے لیے وہاں بیٹھے تمام تر لوگ اپنی نیندیں بیچ کیے اس کے دربار حسن میں انتظار کی گھڑیاں گن [illegible] کر گزار [illegible] ویٹ گرین گھاگھرے اور سرخ مختصری [illegible] چھب دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

سی ڈی آن کی گئی تو نازک کمر کو سائے کی طرح ڈھکنے والے ریشمی بال رقص کے دوران یوں لہروں کی طرح بکھرتے کہ دیکھنے والے دم بخود رہ جاتے۔ ذو معنی گیت اور پھر اس کے مخصوص مصرعوں پر وہ تماشائیوں کے بے حد نزدیک آ کر حنائی ہاتھوں اور کاجل لگی آنکھوں سے انہیں جو پیغام دیا کرتی اس پر ان کا آپے سے باہر ہوتا ایک فطری عمل تھا اور یہی ردعمل تو ان کی پرفارمنس کے کامیاب ہونے کی دلیل اور دام بڑھنے کی ضمانت تصور کیا جاتا تھا۔

بوبی اور جانی بھی دم بخود بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھے جارہے تھے اور شاید اسی طرح سانس روکے دیکھتے ہی رہتے کہ اس حسینہ نے آنٹی کی طرف سے اشارہ ملنے پر گھاگرا گھماتے ہوئے لمحہ بھر ان کے سامنے قیام کیا اور بوبی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کندھے سے کندھا مار کر ٹھوکا دیتے ہوئے شاید جگایا تھا۔ بوبی سر کھجاتے ہوئے خجل ہوکر مسکرایا تو رہی سہی کسر اس حسینہ کے آنکھ مارنے پر پوری ہوگئی۔

اور بس پھر تو جیسے اس کی یادداشت واپس آگئی' گلی کی نکڑ پر موجود کھوکھے سے خریدے گئے پھولوں کی پتیاں سفید مومی لفافے میں دونوں کے درمیان رکھی تھیں سو بوبی نے بھی اٹھ کر وہ پتیاں [illegible] حسینہ پر نچھاور کردیں' کچھ آدمی گھٹنوں کے بل [illegible] کے پیچھے پیچھے نوٹ نچھاور کیے جارہے تھے [illegible] کی جدوجہد پر خوش ہوکر گڑیا اب ان تین چار آدمیوں [illegible] میں انہی کے بتائے گئے انداز میں [illegible] مزید خوش کرتے ہوئے نوٹوں [illegible] رفتار میں تیزی پر اکسا رہی تھی۔ [illegible] ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی [illegible] ب تک نوٹوں کی برسات جاری رکھے ہوئے [illegible] جانی نے بھی جیب سے تازہ نوٹ نکالے اور اس برسات میں اپنا حصہ ڈالنے لگا۔

ایک کے بعد ایک گانا نان اسٹاپ بج رہا تھا' مگر گڑیا کے جسم میں بھری بجلی اسے لمحہ بھر کو تھکاوٹ کا شکار ہونے نہیں دے رہی تھی یا شاید اس کا عزم تھا کہ جب تک سامنے موجود لوگوں کی جیبوں میں ایک نوٹ بھی باقی بچے گا وہ تھک کر نہیں بیٹھے گی اور یہی وجہ تھی کہ اس کی توجہ کا مرکز اب وہی لوگ تھے جن کے پاس مال باقی تھا لیکن یقیناً وہ بھی گھاگ تھے جبھی کچھ رقم بچائے آخرِ شب تک محوِ رقص دیکھ کر اپنی آنکھوں کی تسکین چاہتے تھے۔ کسی بھی قسم کے دنگے فساد کے ڈر سے مزید کسی بھی چیز کے پینے پلانے کا انتظام نہیں کیا گیا تھا یوں بھی گڑیا کے ہوتے ہوئے ان میں سے کسی کو بھی ہوش ہی کہاں تھا کہ کسی اور چیز کے بارے میں سوچا بھی جاتا۔

ہوس کی حدت میں لتھڑے لبِ نفسیاتی خواہشات کی پکار پر جابجا رکتی آنکھیں، کھلم کھلا ہوتی اخلاق چوریاں اور ہیجان انگیز ان کہی خاموشی پیاسے ہونٹوں کی پکاریں رات بھر بھرپور اظہار کرتی رہی تھیں۔ ایک عجیب سی بھوک تھی جو ان تمام تماش بینوں کی نظروں میں تھی اور شاید ساری دنیا کو یہ بھوک ہی تو متحرک کیے ہوئے ہے کہیں روٹی کی بھوک ہے تو کہیں اقتدار کی، پیسے کی، جاہ و نسب کی ایک دوسرے سے برتری حاصل کرنے کی، پیار کی، دولت اور عورت کی......

ساری دنیا اپنی اپنی بھوک کے پیچھے دیوانہ وار ہر چیز تج کیے بس بھاگتی ہی جا رہی تھی، بغیر کسی اکتاہٹ اور بیزاریت کے۔

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ پھر بھی یہ بھوک ہے کہ تھمتی ہی نہیں، رفتار مدھم ہونے ہی نہیں دیتی کہ قدم روکے جانے کا سوچا بھی جائے اور پھر آخرکار اشرف المخلوقات جیسا اعلیٰ رتبہ پانے والے انسان اس بھوک کے پیچھے بھاگتے شل ہوتے جسم کے ساتھ کہیں جوگا نہیں رہتا۔

حاصل کی گئی برچی کی ادا کردہ رقص کے خاتمے کا وقت اب طلوع سحر کے آس پاس بس ختم ہی ہوا چاہتا تھا۔

گڑیا نے بڑے موثر انداز میں آداب کرنے کے بعد اداؤں ہی کے ذریعے تمام حاضرین کو دوبارہ بھی آنے کی دعوت دے ڈالی اور ایک بار پھر رنگین پردوں کے پیچھے جا چھپی جہاں سے وہ ظاہر ہوئی تھی آنٹی جو اس سے کچھ دیر پہلے منظر سے غائب ہوگئی تھیں اب دوبارہ ان سب کے سامنے تو تھیں مگر اس مرتبہ وہ اکیلی نہ تھیں بلکہ گل لالہ کے پھول کی طرح سرخ چہرہ اور میہا تمابدھ کی سی کنپٹیوں تک جاتی خوابیدہ آنکھوں والی نرگس کے ڈھل میں اولین پھول کی طرح شگفتہ ایک اور کم عمر دوشیزہ بھی ان کے ساتھ تھی جسے دیکھ کر ادیب لوگوں کو یقیناً کاسنی لڑکیوں کی یاد ستاتی، وہی جسم اور ہو بہو ویسا ہی قد کاٹھ......

اسے دیکھتے ہی سب کو لگا جیسے دسمبر کی شام میں آتش دان کے سامنے بیٹھے بیٹھے اچانک کسی نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی ہو اور تازہ دم یخ بستہ ہوا کا نرم سا جھونکا آن کی آن میں گدگداتا جا رہا ہو۔ خود جانی کے دل میں ان ادھ کھلی آنکھوں کو بہت قریب سے دیکھنے کی خواہش جاگی تھی۔ یوں بھی کوئی لڑکی کبھی بھی مکمل خوب صورت نہیں ہوتی لیکن وہاں وہ ایک لمحہ جب وہ مرد کے دل کو چھو جائے تو پھر اس کی زبان بیان ظاہر باطن کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ وہی ایک لمحہ تمام زندگی پر محیط لگنے لگتا ہے اور جانی بھی اسی ایک لمحے کی قید میں گرفتار ہوگیا تھا۔

وہ لڑکی جسے آنٹی چندا کے نام سے متعارف کروا رہی تھیں شاید اپنے تاثرات میں خود ہی الجھی ہوئی تھی۔ اداس ہوتے ہوئے ذرا ذرا مسکرانے والی اپنے نام کا عکس لگتی تھی، خاموش لبوں پر جیسے ہی مسکراہٹ تیرتی اسی طرح محسوس ہوتا گویا بھیگے بادل سے چاند جھانکنے لگا ہو۔ چند منٹوں بعد ہی آنٹی نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی استفہامیہ نظروں سے آنٹی کی جانب اس نوخیز کلی کے بارے میں جاننے کے لیے لپکے جو صنف مخالف کو آکٹوپس کی طرح بڑی مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ ہال سے کیا رخصت ہوئی جانی کو اپنے دل کی دھڑکن مدھم ہوتی محسوس ہوئی اور اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کرتا بوبی بھی چونکے بغیر اس لیے نہ رہ سکا کہ پہلے گڑیا جو سب کے بیچوں بیچ دستیاب تھی، جانی نے ایک بار بھی اوروں کی طرح اس کی طرف لپکنے کی کوئی حرکت نہیں کی تھی اور اب چندا کے لیے اتنی بے تابی کہ اس کے جانے پر ایسا لگ رہا تھا جیسے خود جانی کی کوئی قیمتی چیز بھرے ہجوم میں جگہ پر گم ہوگئی ہو۔

رقص کے دوران حفاظتی تدبیر کے طور پر رہنے والا لڑکا بھی آہستگی سے ہال سے نکل چکا تھا البتہ آنٹی ابھی تک سب کو الوداع کہنے کے لیے موجود تھیں۔ جن کی ساڑھی کا پلو اب کچھ زیادہ ہی ریشمی ہو چلا تھا۔

"واہ آنٹی! آج تو تم نے حیران کر دیا آخر میں، پہلے تو کبھی چندا کو نہیں دیکھا۔" کلف کے کڑکڑاتے

بادامی رنگ کے شلوار سوٹ پہنے اس شخص نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ "کہاں کہاں سے نکال لاتی ہو ایسے ہیرے کہ خبر ہی نہیں ہوتی اور ہیرا سامنے آ کر بس دل کے آر پار ہو جاتا ہے۔"

"ابھی ڈیڑھ ہفتہ پہلے ہی تو منہ دکھائی کی تھی اس کی اور تم تب سے آئے ہی نہیں دیکھتے کیسے۔" آنٹی نے ایک نظر پان والے لڑکے کی طرف دیکھا جو تمام گاؤ تکیے سمیت کراب کارپٹ پر سے بکھری اور مسلی ہوئی چیاں صاف کر رہا تھا۔ نوٹ البتہ پہلے ہی احتیاط سے چن لیے گئے تھے۔

باقی تمام لوگ جو پہلے سے اس بھاؤ تاؤ کی دوڑ میں آؤٹ ہو چکے تھے آہستہ روی سے نہ چاہتے ہوئے بھی رخصت ہونے پر مجبور تھے۔

"چلو تب نہیں آیا تو کیا ہوا اب تو آ گیا ہوں ناں اور اگر اب اسے دیکھنا چاہوں تو؟" آنٹی کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آئی اور طنزئی دبیز چادر تلے چھپ گئی۔

"منہ دکھائی تو بے شک تم ڈیڑھ ہفتے سے کر رہی ہو گی لیکن یاد رکھنا پہلا حق میرا ہے۔" آنٹی نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ "تب سے تمہارے پاس آتا ہوں جب یہ دو پونیاں کر کے گھومتی تھی اب اگر میرے [illegible] اور [illegible] ایڈوانس پکڑا تو زیادتی ہو گی۔" [illegible] کا سا انداز اپناتے ہوئے اس نے حق جتایا اور [illegible] کی مدد سے اوپری مسوڑھوں سے سونف ہٹا کر ذرا سا آنٹی کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"چلو اب بتا تو بھی ناں اس پھول کے کتنے لوگی؟"

"وے نہیں پاؤ گے میاں! اس لیے نہ ہی پوچھو۔" اس کے تیور واضح طور پر بدلتے نظر آئے تھے۔ "اور پھر ابھی تو ریٹ لگ رہا ہے دیکھو کہاں جا کے رکتا ہے ویسے بھی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے میں کوئی بچوں کے بل تھوڑی بیٹھی ہوں کہ بس جلد از جلد اسے مارکیٹ میں لے آؤں۔" کندھے اچکاتے ہوئے ٹالنے کے انداز میں کہا گیا اور جانی جو کھلے دروازے کے عین بیچ میں بیٹھے جا گرز پر جھکا جان بوجھ کر تسمے الجھائے ہوئے تھا اس کا دل اس زور سے دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آئے گا۔ خود بوبی بھی ان دونوں کی باتیں سننے کے دوران جانی کے تاثرات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا جونہی بات ختم ہوئی اس نے جانی کو ٹہوکا دیا اور وہ تسمے جو اتنی دیر سے الجھے ہوئے تھے ایک دم سے بندھ بھی گئے اور وہ لوگ سیڑھیاں اترنے لگے۔

❁......❁......❁

احساس جرم ارتکاب جرم سے زیادہ بلکہ کہیں زیادہ خلش کا باعث بنتا ہے کیونکہ ارتکاب جرم تو وقت کی چند گھڑیوں کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اس کے برعکس احساس جرم دل میں زندہ ہو جائے تو پھر مرتا نہیں بلکہ مرتکب کی زندگی کو بھی [illegible] طرح چاٹ جاتا ہے۔ جرائم کی عملی سزائیں بھی [illegible] احساس کو ہی جگانے کا ایک ذریعہ ثابت ہوتی ہیں کیونکہ [illegible] زندہ ہو تو روح بھی زندہ ہوتی ہے ورنہ [illegible]۔

[illegible] جی پر اس ایک پل کے طفیل آ گہی کا در وا [illegible] ورت میں اپنے فعل قبیح کا احساس ہوا تھا ایک [illegible] ہی اس کے جسم و جاں میں بھونچال اٹھائے رکھتی تھی۔ ضمیر کی عدالت نے مجرم چوپارانی کو نہیں بلکہ خود اس کی ذات کو ٹھہراتے ہوئے جو زوردار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا تھا وہ اسے حقیقتاً حواس باختہ کر گیا تھا آگ کی حدت اتنی تھی کہ لگتا اس کی پلکیں تک جل گئی ہوں۔

کمر پر برسائے جانے والے کوڑوں کی شدت اتنی تیز تھی کہ کمر کے بل لیٹ نہ پاتی' دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتی تو بلبلا اٹھتی۔ سنگساری چاروں طرف سے اس رفتار سے تھی کہ وہ کہیں بھاگ ہی نہ پاتی' اپنا کوئی بھی عضو بچا ہی نہ پاتی نتیجتاً سارا جسم لہولہان حالت میں تڑپتا رہتا۔

گندی تو ابھی نا سمجھ تھی اور رانی کم سن' مگر خود چو کے لیے یہ تمام صورت حال بے حد حیران کن تھی کہ آخر سب کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ تاجی بھی تو کمر پر ہاتھ رکھے چلانے لگتی تو کبھی دیوانہ وار چھپ چھپ کر ستر ڈھانپنے کی کوشش کرتی'

لیٹتی تو بان کی چارپائی میں اسے رسیوں کی جگہ جابجا سانپ لٹکتے محسوس ہوتے۔ زمین پر بیٹھتی تو لگتا کہ کوئی اسے دونوں ہاتھوں سے زمین کے اندر دھنسا دینا چاہتا ہے' سو بیٹھے بیٹھے فضا میں ہاتھ بلند کرکے چیخنے چلانے لگتی۔

"بچالو مجھے' کھینچ لو اوپر کھینچ لو۔ زمین نیچے دھنس رہی ہے' کوئی مجھے زمین کے اندر کھینچ رہا ہے' خدا کے واسطے مجھے بچالو...... دھنس گئی تو...... تو میرا سانس گھٹ جائے گا۔ ایسے میں چھو بے چارگی کے عالم میں انگلیاں مسلتی بس اسے دیکھے جاتی جو بیٹھے بیٹھے فضا میں معلق ہوجانے کی خواہش میں خود کو زمین سے دور کرنا چاہ رہی تھی۔

"یہ دیکھ...... دیکھ کتنی زور سے پکڑا ہوا ہے مجھے' میری ہڈیاں تک ٹوٹنے کی آواز آرہی ہے۔ نہیں نہیں ایسا نہ کرو میں بھی ٹھیک ہوں تو زمین سے کہو مرا چھوڑ دے' مجھے نہ جھنجوڑے۔" چھو اسے سمجھاتی' سنبھالتی مگر وہ اس کی سنتی ہی کب تھی ایسی دلدوز آواز میں التجائیں اور فریاد کرتی کہ اردگرد والوں کا دل بھی خوف سے کانپ جاتا۔ رانی اور گڑیا کبھی کونوں میں دبکتیں تو کبھی چھو سے آ چپکتیں [illegible] چھو کے گالوں پر رواں آنسو ان دونوں کے بازو بھگونے لگتے وہ جیسی بھی تھی آخر ان کی ماں تھی جس کے بغیر اب بھری دنیا میں ان کا کوئی نہ تھا اور [illegible] وہ [illegible] کے سامنے کمزور رنں مگر ڈھال تو تھی' جانے کیا ہونے [illegible] میں ڈر [illegible] جھکتے ہوئے کسی سائل کی طرح دل کا [illegible] زور سے چیخنے لگتی اور چھو رو رو کر کوئی معجزہ ہوجانے کی دعا مانگا کرتی۔ وقت کا چابک بلا شبہ ان پر بڑی زور سے برسا تھا۔

قرب و جوار میں رہائش پذیر بستی کے زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی تھی کہ ناجی پر کسی جن کا سایہ ہوگیا ہے' ان کی رائے کی وجہ یقیناً ان کی لاعلمی ہی تھی کیونکہ چھو اچھی طرح جانتی تھی کہ رانی کے نادانستہ فعل نے ایک ہی پل میں آگہی کا در وا کرتے ہوئے اس کی تیسری آنکھ کھول دی تھی اور وہ وہ سب کچھ ہوتا ہوا محسوس کررہی تھی جس کی شاید مستقبل قریب میں ہونے کی وعید کی گئی ہے۔

کئی دن اسی حالت میں گزر گئے تھے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا بس ایک دو بار ترس کھا کر کسی نے روٹی دی مگر کب تک؟ وہ سب بھی ان ہی کی طرح روز کماتے اور کھانے والے لوگ تھے۔ شہر کے مخدوش حالات کے باعث بمشکل اتنا ہی مل پاتا کہ بیوی بچوں کو روکھی سوکھی کھلا پاتے کجا کہ کسی اور کی مدد کرتا اور پھر یہی سب نہیں بلکہ چھو کے لاکھ سمجھانے اور کوشش کرنے کے باوجود ناجی غسل خانے میں قدم نہ دھرتی۔ اسے لگتا جیسے اندر داخل ہوتے ہی چاروں اطراف سے دیواریں اور اوپر نیچے سے چھت اور زمین آہستہ آہستہ سکڑتے ہوئے اسے اپنے شکنجے میں لینے لگے ہیں یوں بھی وہ اپنے حواسوں میں تھی ہی کب کہ حوائج ضروری کا خیال رکھ پاتی۔

اس دن بھی چھو نے بمشکل ناجی کی غلاظت سے بھرے کپڑے بدلوا کر انہیں غسل خانے میں پھینکا اور دوسرا جوڑا جو اس نے ابھی صبح ہی دھو کر ڈالا تھا' اسے گیلا ہی پہنا کر چارپائی پر بٹھایا کہ وہ ہی جوڑے تھے اور مجبوراً یہی پہننا تھے۔ رانی اور گڑیا [illegible] ندی کو ناجی سے خوف آتا تھا اور وہ حتی المقدور کوشش کرتیں کہ اسے نہ دیکھیں اس وقت بھی دونوں کمرے کے ایک کونے میں تصوراتی کھلونوں سے کھیل رہی تھیں۔ چھو نے دروازے کی جگہ استعمال کیے جانا والا لان کا دوپٹہ ہٹایا اور ناجی کی طرف پشت کیے اس کے بدبو دار کپڑے دھونے لگی' ایسے میں ناجی چارپائی سے اتری اور اکڑوں بیٹھ کر زمین پر یوں ہاتھ پھیرنے لگی گویا اپنی کوئی گمشدہ چیز ڈھونڈ رہی ہو اور یونہی ڈھونڈتے ہوئے وہ کب دہلیز پار کر گئی چھو کو پتا ہی نہیں چلا۔ اپنے آپ سے باتیں کرتی ناجی دیوانوں کی طرح دائیں بائیں دیکھتی اور کبھی خاموش کھڑی ہو کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کھڑی ہوجاتی اور پھر جانے کیا ہوتا کہ اس کا دل بھر آتا اور وہ رونے لگتی' کبھی سسکیوں سے تو کبھی ہچکیوں سے اور اسی طرح سسکیوں سے رونے کے دوران وہ گلی گھوم کر برتن قلعی کرنے والے کی انجمن کو دیکھ کر رک گئی۔

وہ دیگچیوں اور دوسرے برتنوں پر گیلی مٹی لگانے کے بعد دھونکنی فٹ کرکے اپنے چمڑے کو باندھتا انہیں ذرا سا

دھو کر کپڑوں پہ سکھانے کے بعد کالی سیاہ دھونکی سے ہوا دے کر قلعی کی ایک خراش دیتا اور لوگز کو نوشادر کے ساتھ لگا کر اس کا یوں مانجھا دیتا کہ دیگچی ہو یا کوئی اور برتن ان کی سب کی کالک شرطیہ دور ہو جاتی۔

"راجھن او راجھن! دیکھ یہ میرے بندھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ میری بھی کالک ہٹا دے ناں۔ اس لوگز سے میری بھی سیاہی ہٹا دے قلعی کر دے ناں مجھے پتا ہے تو نہیں بول کرے گا ناں۔" دونوں ہاتھ جوڑے وہ راجھن کے سامنے التجا کرتی گڑگڑاتی اور پھر رو دی۔ راجھن نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں کروں گا کسی دن۔" تاسف سے گردن ہلاتا رحم آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر وہ آگے بڑھ گیا تو ناجی کی التجا میں راجھن کی عدم توجہ پر شدت اختیار کر گئیں۔

"یہ دیکھ راجھن! میرا دل کیسا کالا اور بدبودار ہے اور...... اور مجھے نہیں پتا کہ کیا لیکن تو میرا یقین کر اس میں کچھ رینگتا محسوس ہوتا ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس کی سرسراہٹ نہیں ہے بلکہ کوئی کند چھری سے میرا سینہ کاٹ کر دل نکال لینا چاہتا ہے یہ دیکھ......" مخبوط الحواس بی بلکی کھڑی دونوں ہاتھوں سے قمیص پھاڑ کر اسے یہ سب عملی طور پر دکھانا چاہتی تھی کہ راجھن اس کا اگلا فعل سمجھ کر وہاں سے یوں غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ وہ اب تک گریبان کے بٹنوں میں الجھی ہوئی تھی کہ پاک کچھ خیال آتے ہی چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھا اور سسکتے ہوئے گھٹنوں میں سر دے لیا۔

دل میں احساسِ جرم کا تیز لانبو بھک بھک جل اٹھا تھا اور پھر وہ اٹھی اور اس پگلی بدرنگ بلی کی طرح ہو بے چاری نالیوں اور گلیوں میں جان بچائے پھرتی دکھائی دیتی ہے ایک گلی سے دوسری گلی کا راستہ ناپنے لگی۔ آنکھوں سے آنسو بے ساختہ یوں بہہ رہے تھے کہ اس کے حلق میں کسیلے گھاس کی دھونی ہونے کا گماں ہوتا۔ اُدھر پینو ابھی دھلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر غسل خانے سے باہر نکلتے ہی والی تھی کہ رانی نے اسے ناجی کے گھر پہ نہ ہونے کی اطلاع دی۔

"نہیں ہے تو کہاں گئی؟ میں نے کہا تھا ناں تجھے دھیان رکھنے کا پھر کہاں گئی؟" پینو نے جھنجلاہٹ میں رانی کو اس کے کمزور کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا تھا لیکن ظاہر ہے اس کے پاس پینو کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا سو ٹکر ٹکر منہ نیچے کیے زمین کو دیکھتی رہی۔

"اوہ میرے خدا اب میں کہاں ڈھونڈوں؟" پریشانی کے عالم میں وہ فوراً گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی رانی اور گڈی بھی ایک دوسرے کی انگلی کو مضبوطی سے تھامے حیران پریشان اس کی طرف تکی تھیں بوکھلاہٹ پریشانی بے چارگی تینوں اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

کوئی مخصوص جگہ تو تھی نہیں جہاں وہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی [illegible] ادھر یونہی ممکنات کے سہارے ڈھونڈتے ہوئے اچانک ہی اس کی ترتی سماعتوں [illegible] کانپتی آواز یوں ٹکرائی کہ دل کے [illegible]

[illegible] ایک بار مجھے اللہ سے معافی لے دو۔ بس ایک بار میرے گناہ دھو دو یہ دیکھو...... یہ دیکھو میرا ماتھا سیاہ اور ہونٹ کیسے نیلے ہو رہے ہیں یا شاید میرا پورا چہرہ نیلا ہو گیا ہے ناں اور سنو یہ جو بدبو اور تعفن میرے اندر سے اٹھ رہا ہے ناں یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اس اوپر والے رب سے...... بس ایک دفعہ" ناجی مسجد کے صحن کے نلکوں [illegible] معافی دلوانے پر مصر تھی [illegible]

"او مائی! چل باہر نکل گندے کپڑے گندے پاؤں گندا جسم...... لاحول ولا...... کچھ تو مسجد کے تقدس کا لحاظ کیا ہوتا۔ جا پہلے جا کر صاف ستھری ہو جا معافی تو بعد کی بات ہے۔" امام صاحب نے مسجد کی طہارت اور پاکیزگی کا خیال کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر نکل جانے کا اشارہ کیا۔

"اگر وہ بس صاف لوگوں کی ہی سنتا ہے تو ہم گندے لوگ کہاں جائیں؟ وہ پاک ہے تو کیا صرف تم جیسے پاک

لوگوں کا ہی رب ہے؟ میرے جیسے پلید کس کے پاس جائیں ہمارا رب کون ہے پھر؟" وہ بچوں کی سی معصومیت سے سوال پر سوال کیے جارہی تھی اور اردگرد لوگ یوں کھڑے ہونے لگے تھے جیسے عموماً بچے بندر کا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

"اور پلید بھی مجھ جیسی جس نے اپنے ہی جسم کے پاک ٹکڑوں کو پلید کر بیچا تو اب کیا وہ مجھے معاف نہیں کرے گا اور اس کی معافی کے بغیر میں کیسے صاف ہوسکتی ہوں؟"

یہ بات ہم میں سے کوئی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اکثر انسان کی زندگی غلطیوں خطاؤں اور گناہوں کا پلندہ ہے اور اگر کبھی یہ غلطیاں یہ خطائیں اور یہ تمام گناہ کسی مجسم ٹھوس مشکل میں ہماری اپنی نظروں کے سامنے آجائیں تو احساس ہوگا کہ ہم تن تنہا دشمنوں کے ہجوم میں گھر گئے ہیں لیکن اس حقیقت کے باوجود ہم صرف اپنی ہی ذات کو برتر سمجھنے پر تلے رہتے ہیں سو اب بھی مسلسل گریہ زاری سے ناجی کی آواز بھیگتی جارہی تھی لیکن سبھی لوگ محض معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے وہاں موجود تھے نماز ختم کرکے جوتیاں پہننے والے نمازی بھی [illegible] دیکھنے لگے جو اپنے بڑھے ہوئے گندے ناخنوں سے اپنا ہی جسم چھیل دینے پر تلی تھی۔

"میں تو ہرگز ہرگز کبھی [illegible] یہ بدبو جاتی ہی نہیں۔ مجھے یقین نہیں [illegible] معاف ہوتا مولوی جی تم ہی معافی دلوادو ورنہ...... ورنہ میں تو جل جاؤں گی۔" آسمان کی طرف اشارہ کرکے آنکھیں پھاڑتے ہوئے وہ خوف میں لپٹی ہوئی بولی۔

"وہ...... وہ دے گا ناں معافی؟ اگر میں......" جملہ ادھورا چھوڑ کر ناجی آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے وحشت سے آنکھیں پھیلا کر دیوانہ وار بھاگتے ہوئے مسجد کے ستونوں کے اردگرد چھپنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ چیخ کر سب کو اس آگ کی بابت بتانے لگی جو اسے آہستہ آہستہ آسمان سے زمین کی طرف بڑھتی محسوس ہورہی تھی۔

"اچھا اچھا دلا دوں گا معافی جا نکل ابھی یہاں سے۔" مولوی صاحب نے مسجد کے کھلے دروازے سے باہر گزرتے لوگوں کو اندر آتا دیکھا تو معاملہ ختم کرنا چاہا۔

"نہیں...... تب تک تو میں اس بدبو سے مرجاؤں گی یہ...... یہ سرخ دہکتی آگ مجھے جلادے گی مجھے ابھی معافی دلا کر دو۔" مولوی صاحب نے اسے آس دلائی جو ناجی کے لیے ہرگز قابل قبول نہ تھی اس کے خیال میں آس میں رکھ کر مارنے سے بہتر پیاس میں رکھ کر مارنا تھا۔

لفظوں کی تکرار جاری تھی کہ چیتو نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں مسلیں اور اس کی طرف بڑھی یوں بھی ہم میں کچھ لوگ پانچ وقت نماز ادا کرکے دوسروں کو دوکتے ٹوکتے اپنا [illegible] اور خود کو اعلیٰ وارفع سمجھنے میں خود کو حق بجانب سمجھنے لگتے ہیں ایسے میں ایک باریش بزرگ جو کافی دیر سے [illegible] سے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے [illegible] بول ہی پڑے۔

[illegible] نجانے کون کون سے گناہ لادے خانہ خدا کو ناپاک کرائی ہے یہ عورت نکالو اسے باہر اور مسجد کو صحن سمیت دھوؤ۔"

خود نجانے کتنے گناہ کیے ہوں گے لیکن ناجی کا یوں اعتراف کرنا اس کے لیے ان کے دل میں نفرت جگا رہا تھا جبھی تو اپنے گناہوں خطاؤں اور غلطیوں کو حتی الامکان خلق خدا سے مخفی رکھنے اور صرف اللہ ہی کے سامنے ظاہر کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی ظاہر کیا جائے تو اس کے سامنے جو معاف کردینے پر قادر ہو جو ہمارا رونا دیکھ کر ہمیں اپنی رحمت کی نرم گرم آغوش میں سمیٹ کر رحمت کی تھپکی سے ہمیں ایسا پرسکون کرے کہ لب خود بخود مسکرانے لگیں لیکن جو منہ سے ادا کیے گئے الفاظ کے ساتھ تلوار اٹھالیں ان کے سامنے ممکنہ تضحیک سے حتی المقدور بچنا ہی بہتر ہے۔

یوں بھی تو ہر کسی بھی فعل پر ہوا پنے نقطہ عروج پر پہنچ کر آنسوؤں میں ڈھل جاتی ہے اور یقینی طور پر ہی آنسو قبولیت کی دلیل بھی ہوتے ہیں کہ رب العزت کی رحمت کو یہ بات گوارا ہی نہیں کہ کوئی اس سے معافی طلب کرے اور وہ

سمیع و بصیر ہوتے ہوئے بھی توجہ نہ کرے۔ رحمٰن و رحیم ہونے کے باوجود اس کی رحمت خداوندی جوش میں نہ آئے کہ اس ذاتِ اقدس کے ننانوے نام رحیم و کریم ہی کی صفت کو بیان کرتے ہیں جبکہ صرف ایک نام اس کے قہر اور غضب کو ظاہر کرتے ہوئے "قہار" کہا گیا ہے اور اسی حساب سے اس کی بخشش و کرم ہم گناہ گاروں کے لیے ننانوے فیصد اور پکڑ محض ایک فیصد ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس ایک فیصد کی کروڑوں جھلک بھی ہمارے لیے قابلِ برداشت نہیں ہے اور اسی ایک فیصد کی پرچھائیں... محض پرچھائیں ناجی کے ذہن کے پردے پر اپنا عکس دکھا رہی تھی۔

"اماں..." چنو نے رانی اور گدی کو باہر ہی کھڑا رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود دو قدم آگے بڑھ کر اسے آواز دی تو ارد گرد کھڑے سبھی لوگوں کی گردن میں ہلکی سی جنبش ہوئی رخ موڑ کر اسے دیکھا تو ابروؤں میں خود بخود خم آیا تو وہ سکڑتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔

"سنبھال اس گناہوں کی پوٹ کو جانے کس کس کا گناہ چھپانے کو اس چھت تلے آسرا لینے آ گئی ہے۔" جھٹک کر مسجد سے نکلتے ایک شخص نے بے حد نخوت سے نتھنے پھیلاتے ہوئے کہا جو خود بھی [illegible] گناہوں سے معافی کے لیے اسی چھت [illegible] پانچ وقت سر گڑ گڑایا کرتا تھا۔ چنو سب کی [illegible] مشکل سامنا کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم لے کر پہنچی تو ستونوں سے لپٹی ناجی آن کی آن میں ستون چھوڑ کر چنو کے پاؤں مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"چنو..... چنو یہ دیکھ یہ لوگ مجھے اللہ سے معافی لے کر نہیں دیتے..... اس سے ملنے نہیں دیتے جو اس گھر میں رہتا ہے سن وہ تو سب کا ہے ناں میرا بھی ہے پھر یہ مجھے کیوں نکال رہے ہیں؟ یہ تو صاف ستھرے ہیں ناں پھر بھی معافی دلا دیں....." چنو نے بڑی دل گرفتگی سے سب کے سامنے تماشہ بنی ناجی کو دیکھا جو اب اس کے پاؤں چھوڑ کر دونوں ہاتھ باندھے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی۔

"چل چھوڑ انہیں تو معاف کر دے مجھے صرف ایک بار..... بس ایک دفعہ..... معاف کر دے..... معاف کر دے..... معافی دلوا دے بس ایک مرتبہ" وہ ایک مرتبہ پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی فلک شگاف آواز میں چیخ رہی تھی اور چنو کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے کہ وہ آخر کیا کرے۔

"ختم کر یہ تماشہ اور چل نکل یہاں سے۔" موذن کے فرائض سر انجام دینے والے نبی بخش نے جب یہ ڈرامہ ختم ہونے کا کوئی امکان نہ دیکھا تو قریب آ کر گرج دار آواز میں یوں دہاڑا کہ ناجی ٹھٹک کر سہم گئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے نبی بخش کو دیکھتے ہوئے اس نے منہ پر انگلی رکھ لی تھی۔

چنو نے بھی اپنی آ[illegible] [illegible]یں اور اسے کھڑا کر کے اپنے ساتھ باہر [illegible] [illegible] کے جانے کے ساتھ ہی ہجوم منتشر ہو [illegible] نے دریاں اٹھائیں اور مسجد کا گلابی اور [illegible] والا فرش بمع آمدوں اور ستونوں سمیت [illegible] کے ذہن میں بھی یہ سوال ضرور [illegible] کو معافی اسی صورت مل سکتی ہے جب [illegible] پاک صاف اور نہا دھو کر آئی ہو؟ یہ ہم جیسے ہی [illegible] سے لوگ رب تک پہنچنے کا رستہ اتنا کٹھن اور مشکل کیوں بناتے ہیں جبکہ وہ تو خود ہمارے دلوں کا مکین ہے۔

❁.....❁.....❁

ایک مدت ہوئی اسے دیکھے
ایک مدت سے کچھ نہیں دیکھا

جانی جب سے اس منقش دروازے کے اندر کی دنیا دیکھ آیا تھا' دن رات بڑے بدلے بدلے محسوس ہونے لگے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے ذہن میں وہ خوابیدہ سی آنکھیں یوں خواب جگاتیں کہ اسے اپنے دل پر قابو نہ رہتا۔ چندا کا پرکشش چہرہ چاند کی طرح اس کی راتوں کو منور کر دیتا تو وہ اپنی اس کیفیت پر خجل ہو کر خود بخود ہنس دیتا اور اس کی ذات میں دھیرے دھیرے اس تبدیلی کا ہونا تو خود بوبی نے بھی محسوس کیا تھا اور وہ اس تبدیلی کی وجہ بھی بخوبی جانتا تھا مگر پھر بھی وہ جانی کے منہ سے اعتراف سننا چاہتا تھا' جبھی

الماری میں ہینگ شدہ کپڑوں کے سامنے کھڑے جانی کے کمرے میں دبے پاؤں پہنچ کر اس کا کندھا شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ تھپتھپایا تو وہ جو باہر جانے کے لیے کپڑوں کے انتخاب میں گم تھا ایک دم چونک گیا اور اس کے اسی ردعمل کا بوبی نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

"اوہو اتنا گم کس سوچ میں تھا کہ ہاتھ لگانے سے اچھل پڑا؟"

"ارے نہیں یار تجھے تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے۔" ہینگرز میں لٹکے ہوئے کپڑوں میں سے اس نے وائٹ ٹی شرٹ اور ڈارک بلیو جینز نکال کر الماری بند کردی اور بڑی کامیابی سے چہرے پر ابھرتے تاثرات کو اس خیال سے چھپایا تھا کہ بوبی کو کچھ بھی علم ہوگیا تو وہ بس دن رات اسے چھیڑتا ہی رہے گا۔

"خیر تو ہے ناں یہ تیار ہوکر آج تو جا کہاں رہا ہے؟"

"تجھے جانے پر اعتراض ہے یا تیار ہونے پر؟" ادھر اُدھر کی کرنے کے بجائے جانی نے بھی اب براہ راست بات کرنے کا سوچا تھا۔

"نہ جانے پر نہ تیار ہونے پر مجھے تو تیرے چھپانے پر اعتراض ہے۔" بوبی نے آنکھ مارتے ہوئے مسکرا کر کہا مگر جانی بھی اس وقت ڈھیٹ بنے مکمل موڈ میں تھا سو دونوں ہینگرز بیڈ پر رکھے اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"مثلاً کیا چھپانے پر؟"

"وہی جو خوشبو کی طرح چھپتا ہی نہیں۔"

"او چل بک نہ یار......" یہ جان کر کہ بوبی کو اندازہ ہوگیا ہے وہ جھینپ سا گیا تھا۔

"ہاں تو چھپا کیوں رہا ہے؟ سیدھی طرح بتا دے کہاں جا رہا ہے۔ قسم لے لے میں نہیں جاؤں گا تیرے ساتھ کباب میں ہڈی بننے کے لیے۔" بوبی نے غیر مشروط آفر بھی کر ڈالی مگر جانی اتنی آسانی سے اُگلنے کے موڈ میں نہیں تھا جبھی مسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے کپڑے اٹھائے اور باتھ روم میں گھس گیا۔

"نہیں بتا رہا ناں بچو یاد رکھنا مجھے پتا چل گیا ناں جب تو دیکھنا تیرا کیا حال کروں گا۔" کوئی جواب نہ آنے پر بوبی نے اس کی ڈھٹائی پر دل ہی دل میں سلام پیش کیا اور باہر نکل گیا یوں بھی آج کل دونوں ہی فارغ تھے جس کی پہلی وجہ تو شہر کی سخت سیکیورٹی اور دوسری فی الحال وافر مقدار میں راشن پانی کا موجود ہونا تھا۔ اسی لیے جانی تنہا دھوکر اب دل بے قرار کے سکون کے لیے ایک بار پھر وہیں جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا جہاں وہ اپنے چین و قرار سب کھو آیا تھا۔

اے میرے دل کے چین
چین آئے میرے دل کو
دعا کیجیے......

یہی گیت گنگناتے ہوئے پہلی دفعہ یوں دل لگا کر تیار ہونے کے بعد اچھی طرح پرفیوم کا اسپرے کرکے وہ سیدھا آنٹی کے پاس جا پہنچا تھا اور بلا تمہید چندا سے ملنے کا ارادہ ظاہر کردیا وہ سنگ مرمر کے تخت پر ستار بجاتے ہوئے مالکونس درباری اور پٹ دیپ کا ریاض کر رہی تھیں۔ یوں بلا جھجک اس کی فرمائش پر انہوں نے ستار پر سے انگلیاں ہٹا کر اسے ایک طرف رکھا اور اپنی سنہری زنجیر والی عینک کے اوپری حصے سے دیکھتے ہوئے حیرت سے بولیں۔

"چندا سے ملنا چاہتے ہو مگر اس وقت؟"

"جی ہاں اس وقت۔" انداز بالکل حتمی تھا۔

"میاں شاید تم جانتے نہیں ہو کہ اس مکان میں راتیں جاگتی ہیں اور ابھی تو سورج مکمل طور پر ڈھلا بھی نہیں۔" کچھ دیر پہلے ہی چندا جاگی ہے اسے تیار ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا ناں۔" اس وقت وہ مکمل طور پر ایک گھریلو خاتون کے حلیے میں تھیں میک اپ اور ساڑھی کے ریشمی پلوؤں کے بجائے ہلکی سبز شلوار قمیص پر جوڑا بنائے آج ان میں ایک گریس فل خاتون کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

"اور ویسے بھی آج تو چندا کی منہ دکھائی ہے ناں پہلی مرتبہ کسی کے سامنے پیش کر رہی ہوں اسے۔" کان کی بالی کو انگلی سے جھلاتے ہوئے آنٹی نے معنی خیز انداز میں

مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہے میں انتظار کرلوں گا لیکن یاد رکھنا آنٹی پیسوں کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔" کھلے دروازے سے برآمدے کے موڑ تک پر نظر گاڑھتے ہوئے اس نے کہا تو آنٹی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھرتی محسوس ہوئی۔ جبھی انہوں نے کارپٹ پر چادر ڈال کر بیٹھے "بندو" کو دیکھا جو دنیا سے بے نیاز سوئی دھاگے کی مدد سے موتیے اور گلاب کے پھول ہار کی صورت میں ایک تناسب کے ساتھ پروتا جارہا تھا۔

"آہم....." انہوں نے گلا صاف کرنے کے بہانے بندو کو پکارا اور اس کے دیکھنے پر بغیر لب ہلائے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا تو وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور لمحہ بھر میں وہاں سے غائب بھی ہوگیا۔

"بوبی کے ساتھ کب سے ہو؟" آنٹی نے بھی اسی کا انداز اپناتے ہوئے سیدھا اور دوٹوک انداز اپنایا تھا جبکہ جانی اس کے منہ سے بوبی کا نام سن کر حیران رہ گیا تھا آنٹی گول میز پر سامنے ہی موجود سروتے کی مدد سے تھوڑی سی چھالیہ توڑ کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس کا یوں حیران ہونا دیکھ نہیں پائی تھیں۔

"ہم دونوں بہت گہرے دوست ہیں اور ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔" وہ آنٹی کے ساتھ کوئی لمبی چوڑی اتنا بے تکلفانہ گفتگو نہیں چاہتا تھا اس لیے سوالات میں ایک ہی دفعہ تفصیلی جواب دے کر جان چھڑاتے ہوئے انہی دبیز سلکی پردوں کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے متوقع طور پر چندا کو آنا تھا لیکن اس وقت وہ سخت کوفت سے دوچار ہوگیا جب انہی پردوں کے عقب سے بندو ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے نمودار ہوا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔

"اور کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا مجھے؟" بندو کے ہاتھ سے سبز چائے کا کپ بددلی سے تھامتے ہوئے اس نے پوچھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ابھی لین دین طے کرنے میں بھی بہت وقت لگ جائے گا لیکن اس وقت جانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آنٹی منہ میں چھالیہ گھماتے ہوئے بے فکری سے بولیں۔

"ارے میاں دیر کس بات کی ابھی تو سورج چھپا ہے مگر رات تو پوری باقی ہے ناں ایسی بھی کیا جلدی؟" آنٹی کے یوں کہنے پر فوری طور پر اس سے کچھ بولا نہیں گیا جبھی کھسیا کر چائے کا پہلا گھونٹ لینے کے لیے کپ کو ہونٹوں کے قریب لے گیا کہ جانتا تھا آنٹی کی بات کے پیچھے کیا مفہوم پنہاں ہے۔

"اور ویسے بھی تمہارے سب معاملات تو بوبی پہلے ہی طے کرکے جاچکا ہے اس لیے تم بے فکری سے چائے کی چسکیاں لو۔" منہ میں چھالیہ گھماتے ہوئے وہ بولیں تو جانی ایک دم ہکا بکا انہیں دیکھنے لگا۔

وہ تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ بوبی اس کے اندر چھپی اس خواہش کو جان سکتا ہے اور پھر اگر وہ جان ہی گیا تو اسے بتائے بغیر جانے کب وہ یہاں آیا اور یقیناً آنٹی کی منہ مانگی رقم ادا کرکے ایڈوانس بکنگ بھی کرگیا کہ جب جانی وہاں آئے تو اسے آنٹی کی طرف سے کسی بھی قسم کی ناگواری کا سامنا نہ کرنا پڑے احسان مند تو یقیناً پہلے بھی وہ تھا مگر اب ایک بار پھر بوبی کا مزید شکر گزار ہوگیا تھا اور آنٹی نہ بار بار اس پر چندا کی منہ دکھائی کا ہونا جتارہی تھیں جانے کتنے میں رضامند ہوئی ہوں گی۔

ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے وہ اب تک اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ آنٹی کی آواز ابھری۔

"جس طرح سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہوئے پانی کا پہلا مگ انسان کو بوکھلا دیتا ہے چوری چکاری کرنے والوں کے پہلی دفعہ چوری کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہوتے ہیں ناں یہی کچھ یہاں بھی ہوتا ہے....." جانی آنٹی کی باتیں یوں دھیان سے سن رہا تھا جیسے امتحان ہال میں پرچہ حل کرنے سے پہلے ہدایات دی جارہی ہوں۔

یہاں آنے جانے والے تو اس کے بارے میں جانتے ہیں مگر تم یوں سمجھو جیسے تم یہاں نئے ہو ویسے ہی چندا سال پہلے یہ بھی ہمارے پاس آئی اس لیے اگر کچھ

خلاف توقع مزاحمت کا سامنا ہو تو اگلی دفعہ میں تمہیں اپنی پسند کا آئٹم دوں گی...... سمجھے ناں؟"

چمکیلی کناری سی آنکھ مارتے ہوئے ہنسی کے دوران آنٹی نے بڑی بے تکلفی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر ہلکا سا دبایا تھا اور تب ہی جانی کو ایک عجیب سی کراہت محسوس ہوئی تھی اس عورت سے جو احساس گناہ کے باوجود اسے لذتِ گناہ کی ترغیب دیتے ہوئے ہر طرح سے اپنی بات کو واضح بنانے پر تلی تھی اور تبھی جانی کی آنکھوں کے سامنے ناجی اور آنٹی کا چہرہ گڈمڈ ہونے لگا۔ کبھی ناجی آنٹی کے گیٹ اپ میں نظر آتی تو کبھی آنٹی ناجی کے حلیے میں چاؤ کو سونف پھانکنے اور سرخی لگانے کا مشورہ دیتی۔ ناجی اور سامنے بیٹھ کر جانی کو یہ نہیں اور نہیں کا اشتہار دکھاتی آنٹی میں اسے ایک پیسے کا فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔

"بندو...... او بندو ماسٹر؟"

جانی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر آنٹی نے بندو کو پکارا تو ایک بار پھر دبلا پتلا لمبا سانولا سا بندو کسی مجسمے کی طرح مؤدب انداز میں انہی پردوں کے پیچھے سے [illegible] حاضر ہوا۔

"چندا تیار ہے تو انہیں کمرے تک چھوڑ آؤ۔"

"جی بہتر...... آئیے" بڑے ادب کے ساتھ بندو نے آنٹی کو مختصراً جواب دے کر جانی کو اپنے پیچھے آنے کا کہا تو یکایک اسے محسوس ہوا کہ شاید اس کے ہاتھ میں پیسے کی آگ آ گئی ہے۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہیں کھڑے کھڑے ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتائے کہ دیکھو پیسے میں کتنی طاقت ہے اس نے جو چاہا سو پا لیا ہے۔

چند لمحوں پہلے ذہن و دل پر چھائی گھٹن دور جا چکی تھی اور خوشی کی انتہا تو یہ تھی کہ وہ آنٹی کی طرف دیکھ کر مسکرا بھی دیا۔ جواباً وہ اس سے بھی گہری مسکراہٹ سے اسے الوداع کہنے کے بعد ایک بار پھر اب ستار کے بجائے تان پورے کے سُروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی تیاری کرنے لگیں کہ آج رات آنے والے مہمانوں کی طرف سے پچھلی دفعہ ہی طبلے اور ذوت کے سُروں پر رقص کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ چائے کا کپ سامنے گول میز پر رکھنے کے بعد بندو کی رہنمائی میں اس ہال نما وسیع کمرے سے نکلتے ہوئے انہی دبیز پردوں میں گم ہونے سے پہلے بوبی ان پھولوں کے پاس سے گزرا جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی بڑی محبت اور احتیاط کے ساتھ ایک ایک کر کے دھاگے میں پروئے جا رہے تھے اور کچھ دیر تک اپنا آب و تاب دکھانے اور خوشبو بکھیرنے کے بعد جنہیں یقینی طور پر تماشائیوں کے ساتھ ساتھ رقاصاؤں کے پیروں تلے مسلے جانے کے بعد آخرکار گندگی کے ڈھیر کی یوں زینت بن جانا تھا کہ ان کی اپنی شناخت وجود اور حیثیت ختم ہو کر صرف اور صرف گندگی رہ جاتی اور یہی حال یہاں کے مکینوں کا بھی تھا۔

پھولوں کی قسمت میں کہاں بزم عروسی
کچھ پھول تو کھلتے ہی مزاروں کے لیے ہیں

ریشمی پردوں کو عبور کرنے کے بعد ایک طویل کشادہ راہداری کے آخر سے آخری کمرے کے سامنے آ کر بندو رک گیا تھا۔

"صاحب یہ کمرا بے بی کا ہے اور آپ صبح تک یہاں قیام کر سکتے ہیں البتہ یہ کوئی لازمی نہیں ہے آپ چاہیں تو کسی بھی وقت واپس جا سکتے ہیں۔ ویسے وقت سے پہلے واپس جاتا کوئی دیکھا نہیں آج تک۔" سنجیدگی سے بات کی شروعات کرتے ہوئے بندو لہجے سے جھلکتی ہوس کی پوٹلی کو زیادہ دیر تک مخفی نہیں رکھ پایا تھا۔ جانی نے جواباً خاموشی اختیار کرتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ بات بدل گیا۔

"پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ باورچی خانے میں نان، کلچے سندھی پراٹھے، خمیری اور فطیری روٹیوں کے ساتھ مختلف طرح کے پکوان رات کے مہمانوں کے لیے تیار ہوتے ہیں اگر کسی بھی چیز کی طلب ہو تو فرما دیجیے۔"

"کچھ نہیں چاہیے بندو! بس تم چلے جاؤ اب یہاں سے۔" جانی کا لہجہ ہنوز کھردرا تھا۔

"یعنی تخلیہ......؟" آنٹی کے سامنے مجسمہ بنا بندو بھی گنوں کا پورا تھا لیکن جانی کی طرف سے متوقع ردعمل

سامنے ننا نے پر تھوڑی بہت سن گن تو اسے بھی مل گئی تھی کہ یہ بندہ عام گاہکوں جیسا تماش بین نہیں ہے جبھی تو ترنت واپس پلٹ گیا کہ جانی کے تیور اسے کچھ اچھے معلوم نہیں ہو رہے تھے اور اس کے جاتے ہی جانی نے بغیر دستک دیئے اس تیسری دنیا میں قدم رکھ دیا جہاں صرف دولت کام آتی ہے جہاں ذہنی سکون اور کامیابی کا رستہ نہ شرافت نجابت سے کھلتا ہے نہ میرٹ سے۔ بس ہتھیلی گرم کرنے پر ہی کھل جا سم سم کا اثر یوں ہوتا ہے کہ ہر چیز قدموں کے نیچے بچھی چلی جاتی ہے اور ہر انسان سینڈریلا کے بارہ بجنے تک جیسے اس وقت تک اس دنیا کا شہزادہ بن کر لاڈ اٹھواتا ہے جب تک اس کی ادا کی گئی رقم مکمل نہ ہو جاتی اور جانی کے لیے بوبی کی طرف سے ادا کی گئی رقم کے مطابق آج طلوع صبح تک کے لیے چندا اس کی دسترس میں اور اس کا ہر حکم ماننے کی پابند تھی۔

❁ ❁ ❁

افلاس نے بچوں کو بھی تہذیب سکھا دی
سہمے ہوئے رہتے ہیں شرارت نہیں کرتے

پنو کسی طور ناجی کو گھر تک لے آئی تھی اور اب وہ [illegible] کے نیچوں بیچ اکڑوں بیٹھے دونوں بازوؤں کو ٹانگوں کے گرد لپیٹے ہوئے چھٹی چھٹی آنکھوں سے [illegible] تھی۔ گندی اور رانی ایک کونے میں دبکی [illegible] ہوئی چپ چاپ اپنی ہی ماں سے وحشت زدہ اور خوف محسوس کر رہی تھیں اور جب تک ناجی جاگتی رہتی وہ یونہی کونے میں دبکی رہتیں پنو غسل خانے کی بوسیدہ دیوار سے ٹیک لگائے گھٹنوں پر تھوڑی ٹکا کر ناجی کو دیکھ رہی تھی اور سوچ میں تھی کہ جب وہ اپنے ہوش وحواس میں تھی تب بھی گندی اور رانی اس سے خوف زدہ رہا کرتی تھیں اور اب جب وہ اپنے حواسوں میں نہیں تب بھی وہ دونوں اس سے دہشت زدہ تھیں کہ اسی طرح اکڑوں بیٹھے بیٹھے جب ناجی دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر یہاں سے وہاں کچھ ڈھونڈنے کے انداز میں بڑھتی تو وہ دونوں نہایت خوفزدہ ہو کر دیوار کے ساتھ مزید چپکتی جاتیں۔ یونہی بلا مقصد ادھر ادھر دیکھتے دیکھتے

ثمن کے ڈبے سے سہارا لے کر ناجی بیٹھی تو نیند نے آلیا یوں بھی وہ ہر ممکن طریقے سے خود کو جگائے رکھتی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ جیسے ہی وہ سوئے گی لوگ اسے مردہ جان کر گہری اندھیری اور وحشت سے بھرپور قبر کے حوالے کر آئیں گے۔ اسی لیے تو وہ آنکھوں کو ہر ممکنہ حد تک پھیلائے رکھتی کہ یہ بند نہ ہونے پائیں مگر نیند کو آخر کب تک ٹالا جا سکتا ہے یوں بھی نیند ہی تو ایسی چیز ہے جو بھوکے پیٹ میں بھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

چارپائی پر لیٹنا اور کنارا اب تو وہ بیٹھنے سے بھی گریزاں تھی کہ اسے سانپوں کے ڈنک باقاعدہ اپنے جسم پر نظر آنے لگتے۔ دیواروں سے ٹیک تو کیا وہ ان کے قریب بھی نہ جاتی تھی کہ [illegible] سب دیواریں اسے اپنے اندر جکڑ نہ ڈالیں اور [illegible] کے سو جانے پر [illegible] نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ وہ بیٹھے بیٹھے کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر سو تو گئی جبھی [illegible] دبے پاؤں اٹھیں اور پنو کے دائیں بائیں [illegible] طرح خود کو محفوظ خیال کرنے لگیں۔

"کیا سوچ رہی ہے رانی؟" پنو نے محض ان دونوں کو [illegible] پر ذرا ہلکا پھلکا کرنے کے ارادے سے بات شروع کی۔

"سوچ تو نہیں رہی! بس دعا مانگ رہی تھی۔" اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا تو پنو کو اس پر بے حد پیار آ گیا صرف یہ سوچ کر ہی کہ وہ ناجی کی صحت کے لیے دعا مانگ رہی ہے۔ خوراک کی کمی کے باعث پچکے ہوئے گالوں پر پنو نے بے اختیار ہو کر بوسے لے ڈالے اور اسے گلے سے لگا کر بھینچ لیا اور دونوں ہاتھ گندی کے بالوں میں پھیرنے لگی جو بھوک سے بے حال ہونے کے باعث بیٹھے رہنے سے بھی قاصر تھی جبھی ایک ہاتھ سے اس نے پنو کی ٹانگ سیدھی کی اور اس پر سر رکھ کر لیٹ تو گئی مگر کھانے کو پھر بھی کچھ نہ مانگا۔

"کیا دعا مانگی تو نے؟" اسے خود سے الگ کر کے پنو نے پوچھا اس کا خیال تھا کہ وہ جب ناجی کی صحت اور

زندگی کے متعلق مانگی جانے والی دعا کے بارے میں بتائے گی تو وہ گڈی کو بھی ماں کے لیے دعا مانگنے کو کہے گی۔

"میں نے دعا مانگی ہے کہ ہماری بستی میں بہت بڑا خودکش دھماکہ ہو جائے اور اس میں اماں سمیت ہم سب بھی مارے جائیں۔۔۔۔" چھو اس کی دعا کے الفاظ سن کر سکتے میں آ گئی تھی۔

"پھر سرکار سب مرنے والوں کے وارثوں کو پیسے دے گی ناں تو جو پیسے میرے اور اماں کے مرنے پر ملیں گے وہ لے کر تم دونوں کہیں دور چلی جانا' جہاں کوئی دھماکہ نہ ہو' پھر تم مس جی بن جانا اور روز شام کو جیسے مسجد کے مولوی جی کھانا سامنے رکھ کر مرنے والوں کو بھیجتے ہیں ناں' تم لوگ بھی ہمارے لیے ٹھنڈا پانی' تندور کی روٹی اور بوٹیاں بھیج دینا۔"

"رانی.....'' بمشکل چھو کے منہ سے نکلا۔

"اچھا چلو بوٹیاں نہیں مسور کی دال بھیج دینا بس۔ لیکن کچھ بھیجنا ضرور' قسم سے اب بھوک نہیں برداشت ہوتی مجھ سے۔" رانی نے منہ بسورا تو چھو کا تو جیسے کوئی منہ [illegible] چت لیٹی گڈی نے بھی کروٹ لی چہرے کے تاثرات انتہائی غصیلے تھے۔

"تجھے پتا بھی ہے کیا کہہ رہی ہے' تو نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟" چھو نے گہری سانس لے کر [illegible] مڑ کر گڈی کی طرف دیکھا خیال تھا شاید اس کے دل میں ابھی ماں کے لیے پیار موجود ہے لیکن اس خوش فہمی کا دورانیہ لمحہ بھر سے زیادہ ہرگز نہیں تھا۔

"اگر تو مر گئی تو میرے ساتھ کھیلے گا کون؟ اتنے پیسے نہیں لینے ہمیں' تو صرف اماں کو مرنے دے دعا کے میں بس ہم تینوں کے لیے اتنے ہی پیسے ٹھیک ہیں۔ ویسے بھی اماں تو اب کسی کام کی بھی نہیں رہی ناں۔" گڈی نے تائید حاصل کرنے کے لیے چھو کی طرف دیکھا جس کا دھواں دھواں چہرہ عجیب سوگواریت بیان کر رہا تھا مگر دکھ کیا تھا اور وہ یوں بیٹھے بیٹھے کیوں اس قدر غمزدہ دکھائی دینے لگی ہے' اس بات سے وہ دونوں ہی لاعلم تھیں اور

## نظم

خدا کرے اس عید<br>
کی خوشیاں<br>
ہوں اس قدر<br>
تو نہ دو سکے میرے بغیر<br>
تو لوٹ آئے<br>
پاس میرے<br>
تو نے نا امیدوں<br>
کے محل میرے<br>
[illegible] غم کو<br>
[illegible]<br>
خوشیاں [illegible]<br>
[illegible]<br>
[illegible] لائے گی<br>
[illegible] لائے گی

مدیحہ نورین مہک ۔۔۔ برنالی

بے خبر تو خود چھو بھی اب تک رہی تھی' ان دونوں کے بیل بند دل کے اندر سے یہ سب الفاظ اسے قے کی مانند باہر نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔

پہلے آج تک تو تفکرات' گمان وسوسے سب گونگے تھے مگر اب جو زبان نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کی تھیں تو سب کچھ جیسے اتھل پتھل سا ہو گیا تھا اور معاملہ برخاک مالیدن کا سا ہو چلا تھا۔

چھو کی سماعت اور رانی اور گڈی کی گویائی لنکا کو ڈھانے ہوئے تھے' گڈی اور رانی اس کی خاموشی پر یوں خوفزدہ ہو گئی تھیں جیسے طوفان آنے سے پہلے ہواؤں کی چاپ سن لی ہو۔ چھو ان دونوں کو سمجھانا چاہتی تھی کہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہی سہی لیکن ناجی کا یہ بچا کھچا وجود بھی ان کے لیے اس معاشرے میں کس قدر اہم ہے جیسے غسل خانے کے دروازے کی جگہ لٹکایا جانے والا دوپٹہ جو اب نہایت خستہ حالت میں تھا لیکن اسے بھی نیچے گرا کر اس کے ایک کونے

پر اینٹ رکھ دی جاتی تو سب خود بخود جان جاتے کہ اندر کوئی ہے اور تب نہ تو کوئی آگے بڑھ کر منہ اٹھائے اندر داخل ہوتا اور نہ ہی آواز لگاتا۔ بس یہی آسرا اور سہارا اب تاجی کی صورت میں ان تینوں کے پاس بھی تھا۔

چھو نے بڑی دلدوز نظروں سے اب تک پاؤں پر بوجھ ڈال کر سر زمین کے ڈبے سے نکالی دنیا و مافیہا سے بے خبر اس عورت کو دیکھا جو اس کی ماں تھی اور اس ابتر حالت میں اسی ایک لمحے کے زیر اثر تھی جس نے محض چند ہی ساعتوں میں اس کا منطقہ البروج ہلا کر رکھ دیا تھا جسے رب نے تو عرشی سیڑھی پر اعلیٰ ترین مقام سے نوازتے ہوئے ماں کا درجہ دیا مگر اپنی ہی کرنی کے باعث وہ معاشرے تو دور کی بات اولاد ہی کی نظروں میں یوں گندے نالے میں جا گری تھی کہ وہی بیٹیاں جنہیں وہ مس جی بنانے کی خواہش میں چھو کا دام لگائے چوک چوراہے پر کھڑی تھی وہی اب چھو کی پناہ لیے اس کے مرجانے کی دعا کر رہی تھیں۔

ٹکر ٹکر چھو کو دیکھتی گندی اور رانی سے چھو کی نظر ملیں تو جذبات سے مغلوب ہو کر ان دونوں کو بازوؤں میں بھینچے ہوئے چھو نے بہت زور سے آنکھیں بند کرلیں۔

❀ ❀ ❀

کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی سامنے بیڈ پر گیشا گرل کی طرح بیٹھی چندا کو دیکھ کر جانی ٹھٹکا ہی نہیں بلکہ کبھی ہوتا تو دم بخود رہ جاتا۔ سائیڈ ٹیبل پر موجود سانچی کے پان موتیا کے گجرے بیڈ کے بالکل سامنے موجود قد آدم آرائشی آئینے کے ذریعے جانی کی آنکھوں تک پہنچے۔

کمرہ بے شک اتنا کشادہ نہ تھا لیکن پھر بھی ایک ایک چیز اپنی جگہ یوں سلیقے سے موجود تھی کہ لگتا یہ چیزیں کمرے کے لیے نہیں خریدی گئیں بلکہ کمرا ان چیزوں کو ہی رکھنے کے لیے وجود میں آیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ ایک پرانا تعمیر شدہ کمرا اور آرائش کی چیزیں نئی تھیں۔ جانی ٹھہر ٹھہر کر چلتا اس سے پہلے کہ آگے بڑھتا' کچھ یاد آنے پر ایک مرتبہ پھر واپس پلٹا' کمرے کے دروازے کی چٹخنی چڑھائی اور موڑھا گھسیٹ کر بیڈ پر بیٹھی چندا کے عین سامنے رکھنے کے بعد گھٹنے جوڑے اس کے سامنے ٹک گیا۔

چنبیلی کی کلیوں سے ملائم رنگ میں اس وقت زرد رنگ ہی نمایاں محسوس ہو رہا تھا' قیدیوں کی خوف زدہ چندا کے بستر پر یقیناً کوئی تیز خوشبو چھڑکی گئی تھی جس کی وجہ سے جانی کو اپنے ملبوس پر لگائی گئی بلکہ فرانسیسی خوشبو بے وقعت اور غیر محسوس لگنے لگی تھی۔ سفید ٹی شرٹ جسے خاص طور پر اوپر لکھی عبارت کی وجہ سے ہی پہننے کے لیے منتخب کیا گیا تھا چندا کی لمبی پلکوں کے اٹھنے کی منتظر تھی کہ وہ اسے دیکھے اور بن کہے ہی سارا پیغام سمجھ جائے مگر وہ تو جیسے چپ چاپ اپنی ادھ کھلی خوابیدہ آنکھوں کو یوں جھکائے بیٹھی تھی جیسے اس وقت وہ اپنے کسی پیر و مرشد کے پاس موجود ہو۔

اس رات ہوا قدرت سے بھی ٹھہر ٹھہر کر بھرپور انداز میں یوں چلتی کہ کھلی کھڑکی کے آگے موجود پردے بھی اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ بن پاتے اور وہ سیدھے چندا کے دو پٹے کو بھی جھنجھوڑتی ہوئی کمرے میں بکھرتی کہ کلاسیکی تصویروں میں بنی چنت کی گئی لڑکیوں کی طرح اس کی ڈھلکی ململ سی پتلی کمر سمیت جسم کے تمام خطوط واضح ہونے لگتے۔ کپڑے اس قدر چست تھے کہ خود جانی کو نظریں جھکانی پڑیں۔

جس طرح انگریز حکمران دیانت داری کو اپنی پالیسی کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں بالکل اسی طرح ان گلیوں میں ملاقاتیوں کے سامنے آنے کے لیے بھی چست اور باریک کپڑوں کو شاید پالیسی کے طور پر ہی اپنایا گیا تھا۔ اس پر یوں نظریں جھکائے چہرے پر موت کا سا سناٹا طاری کیے چندا...... جانی کو لگ رہا تھا جیسے کسی نازک اندام پری کو شیشے کے جار میں بند کر کے اس کے سامنے بٹھا دیا گیا ہو اور اسے اس پر مکمل دسترس بھی دی گئی ہو مگر اس سے پہلے کہ دل میں کروٹ لیتی انوکھی خواہشات اسے اپنا احساس دلاتیں جانی نے بڑی خوب صورتی سے نفس کے ننھے سے پودے پر خواہشات کے رنگ میں پھولوں کو تکریم اور پاکیزگی کی شبنم سے ڈھانپ لیا۔

"اگر باتھ روم آپ کے کمرے کے ساتھ ہے تو مہربانی کر کے اپنے کپڑے بدل لیں اور اپنی پسند کے کوئی مناسب سے کپڑے پہن آئیں۔"

جانی کی بات پر پہلی مرتبہ چندا نے پلکیں اوپر اٹھا کر اسے دیکھا معصومیت تو تھی ہی مگر آنٹی نے جس انداز میں اسے تیار کیا تھا وہ اس کے حسن کو کہیں زیادہ دو آتشہ کیے دے رہی تھی اس پر خوابیدہ آنکھوں میں سانس لیتی حیرت' جانی کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بس اسے یونہی دیکھ دیکھ کر اپنی روح کو سیراب کرتا رہے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ تو رہے تھے مگر دونوں ہی کی نظروں میں جذبات کے ذخیرے مکمل طور پر متضاد تھے چندا کی آنکھوں میں خوف تھا جبکہ جانی کی نگاہوں میں محبت تھی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ کپڑے یہاں موجود دوسری لڑکیوں کے لیے تو شاید مناسب ہوں لیکن آپ کے لیے بالکل بھی موزوں نہیں ہیں۔ آپ بس کوئی دوسرا ڈریس [illegible] آئیں جو آپ کو پسند ہو۔" وہ اسے سمجھاتا اور بتانا چاہ رہا تھا کہ ایسے کپڑے شریف لڑکیاں نہیں پہنا کرتیں [illegible] وہ اسے یہاں پر موجود دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں سمجھتا بلکہ اسے تو وہ سحر القلوب کا وہ تعویز سمجھتا [illegible] جسے جانی اپنے سینے کے ساتھ لگا کر رکھنا چاہتا ہے [illegible] [illegible] لگائے تاکہ اگر کبھی کسی کی نظر پڑ بھی جائے تو وہ منظر حسد یا رشک کے آئینے سے منعکس ہو کر نظر بد اسے چھو بھی نہ پائے لیکن کیا کرتا لفاظی اس کے بس کی بات نہیں تھی سو سیدھا سادا جو ذہن میں آیا کہہ دیا اور چندا جو پہلے ہی تمام خدشات کے برعکس اس کے یوں محتاط ہونے پر حیران تھی مزید حیرت زدہ ہوئی لیکن قابل اطمینان بات یہ تھی کہ جانی کا انداز چندا کے ذہن پر چھائے خوف کے بادل ہٹانے میں غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہو رہا تھا۔

چندا آہستگی سے اٹھی اور دیوار میں نصب چیپل کی لکڑی کی بنی چھت کو چھوتی الماری کا پٹ کھول کر سامنے ہی ہینگر میں موجود کپڑے لیے اور باتھ روم میں جا گھسی۔

**ازدواجی ڈکشنری**

شادی: ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے شوہر کو رفتہ رفتہ یہ علم ہوتا ہے کہ اس کی بیوی کیسے شوہر کی طلبگار ہے۔

ہنی مون: منہ کھولنے کے لیے شادی شدہ مردوں کے لیے قدرت کا عطیہ ہے۔

کنوارا: جو صبح کام پر جانے سے قبل صرف ایک آدمی کا ناشتہ تیار کرتا ہے۔

خبر: شوہر کی اڑائی ہوئی اطلاع۔

افواہ: بیوی کی اڑائی ہوئی اطلاع۔

[illegible] کا تقاضہ: بیوی سے بحث میں جیت [illegible] باوجود معافی مانگ لینی چاہیے۔

[illegible] نفسیات کا [illegible] یہ لڑکیاں عموماً ان مردوں سے شادی کرنا پسند کرتی ہیں جن میں ان کے باپ کی [illegible] موجود ہوں شاید یہی وجہ ہے کہ شادی کے موقع [illegible] ان [illegible] روتی ہیں۔

جانی وہیں پر اسی انداز میں بیٹھا اس کے ایک ایک نقش کو ذہن میں تسلسل دہرائے جا رہا تھا کہ ایک بار پھر باتھ روم کا دروازہ کھلا' بے اختیار جانی نے گردن موڑی تو جیسے حیرت سے دنگ رہ گیا' لمحہ بھر کو تو اسے لگا کہ باتھ روم میں داخل ہونے والی لڑکی کوئی اور مگر باہر آنے والی لڑکی کوئی اور ہے۔

کچھ دیر پہلے پہنے ہوئے ہیجان انگیز کپڑوں کے بجائے اب وہ کاٹن کے شلوار قمیص میں اسی ڈیزائن کا دوپٹہ لیے کس قدر باعزت لگ رہی تھی۔

اس کے برعکس جس حلیے میں وہ اب جانی کے سامنے موجود تھی' شیطانی اذہان کے علاوہ جو بھی دیکھتا بے اختیار نظریں جھکا کر عزت کرنے پر مجبور ہو جاتا اور پھر جانی نے تو کپڑے بدلنے کا کہا تھا مگر وہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھتے ہوئے چہرہ بھی دھو آئی تھی اور اب فجر کے وقت کھلتی چنبیلی کی طرح تر و تازہ معلوم ہو رہی تھی۔

"معاف کیجیے گا آپ نے ہی کہا تھا ناں کہ جو مجھے پسند ہو...... تو میں اس لیے......" وہ جانتی تھی کہ یہاں آنے والوں کی توقعات ان سے کئی طرح کی ہوتی ہیں اسی لیے جانی کو ششدر دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی کہ یقیناً اس سے یہ سب غلط ہوا ہے اور اس کی شخصیت کا سحر خود اس کی آواز سے ہی ٹوٹا تو جانی جیسے اپنے حواسوں میں آ گیا۔

"ارے نہیں نہیں معافی کیوں بلکہ میں نے خود تمہیں یہ سب کرنے کو کہا تھا۔" کینزے کیا بدلے گئے تھے اس کی حیثیت بھی شاید اب بدل گئی تھی۔ آپ سے تم تک کا فاصلہ بھی اسی لمحے طے ہوا کہ اب چندا سے اپنی ہی دنیا کی باسی لگنے لگی تھی اپنوں کی طرح دل کے بہت قریب۔

"اور تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ ادھر آؤ ناں یہاں بیٹھو مل کے باتیں کرتے ہیں۔" اتنا دوستانہ لہجہ اور وہ بھی اس کے ساتھ؟ یہ کیسا مرد ہے بھلا۔ وہ جو تھوڑی دیر پہلے تک بے انتہا خوفزدہ تھی اب جانی کے دوستانہ رویے پر الجھن کا شکار تھی۔ وہ تمام داستانیں جو وہ یہاں موجود دوسری لڑکیوں سے سن چکی تھی اور جو ساری باتیں آنٹی اسے سمجھا کر اپنے تئیں روپے دگنا کرنے کی مشین بنا گئی تھیں جانی کے رویے سے تو ہر ایک بات کی نفی ہوتی تھی بلکہ اسے تو لگتا تھا جیسے کسی پرانے دوست سے ملاقات [illegible] اب مل بیٹھ کر وہ سب کچھ بیان کرنا چاہتا ہو [illegible] موجودگی میں بیتا۔

"میرا نام جانی ہے اور میں صرف تمہاری خاطر تم سے ملنے اور صرف باتیں کرنے کے لیے یہاں تک آیا ہوں مجھے پیشہ ور یا باقاعدہ تماش بین نہ سمجھ لینا۔" چندا صوفے پر بیٹھی تو سورج مکھی کی طرح مکمل رخ موڑتے ہوئے جانی نے اپنا تعارف کروایا اور مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔

"کیا تم بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ گی؟ میرا مطلب ہے تمہارا کوئی رشتے دار وغیرہ؟" جانی کی باتیں اس کا انداز اور اس کے لہجے سے چاروں طرف بکھری محبت اور سچائی کی نرم پھوار چندا کے دل میں جگہ بنا تا اس کا اعتبار بغیر کسی رکاوٹ کے یقین کی راہداریوں سے ہوتا ڈھوک کے ایوان میں داخل ہوگیا تھا۔

کھلی کھڑکی سے اندر داخل ہوتی اوائل شب کی ٹھنڈک اور فضا میں جگنوؤں کی جلتی بجھتی بارات میں ایک دوسرے کے قریب آنے کی کئی ڈھکے چھپے اشارے تھے لیکن تنہائی اور قدرت ہونے کے باوجود احترام کی دیوار کو دونوں اطراف سے بڑے پُر وقار انداز میں بلند رکھا گیا۔

"ہم جیسی لڑکیوں کے رشتے دار نہیں گاہک ہوتے ہیں اور ہمارا مکان گھر نہیں کوٹھا کہلایا جاتا ہے اس لیے مجھ سے اس طرح کا کوئی بھی سوال بے کار ہے۔" اس کی سوئی سوئی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے چارگی تھی سومنات کا مندر کھونے والے پجاریوں جیسی۔

"ہماری قسمت تاش کے پتوں کی طرح بھانت بھانت کے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور کبھی لوگ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو کوئی بھی جواری ان پتوں کے ساتھ کرتا ہے کہ جب تک ان کی مرضی کا نتیجہ [illegible] وہ سینے سے لگا کر آنکھوں سے [illegible] دوسری صورت میں...... ہونہہ......!" بے [illegible] عالم میں اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا [illegible] یا اور وہ آنسو جو اس کی اداس آنکھوں سے نکل بھی نہیں پائے تھے جانی نے اپنے دل پر گرتے محسوس کیے۔

"ہر بندہ ایک جیسا تو نہیں ہوتا ناں تم مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔"

پہلی پہلی محبت کے زیر اثر چندا کو خوش دیکھنے اور خوش کرنے کی آرزو اس کے ہر دوسرے جذبے پر مکمل حاوی ہو چکی تھی یوں بھی اس عمر کی محبت میں انسان خود کو سپر مین گردانتے ہوئے سب کچھ کر گزرنے اور اپنی محبت کو حاصل کر لینے کے لیے اتنا ہی پُر عزم اور ثابت قدم ہوتا ہے جتنا شاید سکندر اعظم اپنی فتوحات کے سفر میں ہوتا ہوگا۔

"کب تک...... ایک دن دو دن ہفتہ...... مہینہ اور پھر......؟" چندا کی رت جگوں سی آنکھوں میں ان گنت سوال تھے۔

"یہ بات تو آپ کو آنٹی نے بھی بتائی ہوگی کہ پروفیشنل لائف میں آج میرا پہلا قدم تھا یہ میری خوش نصیبی کہ آپ جیسے اچھے انسان سے ملاقات ہوئی جس نے بھاری رقم دے کر بھی نفس کے شیطان کو اس کی حد سے تجاوز کرنے نہیں دیا لیکن صرف ایک رات سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے آج نہیں تو کل مقدر کی سیاہی کو پھیلنے سے بھلا کون روکے گا۔"

دل میں تم پیدا کرو پہلے میری سی جرأت
اور پھر دیکھو کہ تم کو کیا بنا سکتا ہوں میں
میں بہت سرکش ہوں لیکن اک تمہارے واسطے
دل بچھا سکتا ہوں میں آنکھیں بچھا سکتا ہوں

جانی چنچیلی سی اس پاکیزہ لڑکی کی معصومیت برقرار رکھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا مگر مسئلہ چندا کا تھا کہ وہ جس ماحول میں موجود تھی وہاں اعتبار کا مطلب کسی متعفن نالی سے بڑھ کر ہرگز نہیں لیا جاتا تھا۔

"آپ نے دیکھا تھا جب ہال میں داخل ہونے پر میرے اوپر پھولوں کی سرخ پتیاں نچھاور کی [illegible] ہونہہ..... وہ میرا استقبال نہیں تھا بلکہ ان کے اپنے شیطانی جذبات کی تسکین کی طرف پہلا قدم [illegible]۔"

"میں تمہیں اس ماحول [illegible] گا اور میں جو کہتا ہوں یقین کرو کر کے بھی دکھاؤں گا۔" اس کی باتیں سن کر جانی بے حد جذباتی ہو رہا تھا کبھی دل و دماغ غصے کی شدت سے سن ہوتے محسوس ہوتے تو کبھی اضطراب سے کان کی لوئیں تک جلنے لگتیں اور پپوٹے بھاری ہوتے محسوس ہوتے۔

"میری مانیں تو آج کے بعد اس جگہ کا کبھی رخ نہ کیجیے گا جہاں سے مہاراجہ بھی خالی ہاتھ اور جیبیں جھاڑے ہوئے نکلتے ہیں ویسے بھی یہ کوٹھے اور ہم طوائفیں صرف اور صرف نامردوں کے ٹھکانہ اور خواہش ہوتی ہیں اور آپ تو مجھے اچھے خاصے مرد معلوم ہوتے ہیں۔" ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کی غرض سے چندا

نظم

سنا ہے چاند نکلا تھا
سنا ہے عید آئی تھی
ہمیں تو آسماں پر دور تک
کچھ بھی نہیں دکھتا
کہاں وہ چاند نکلا تھا
کہ جس کے واسطے ہم نے
کبھی پلکیں نہیں جھپکائیں
وہ جس کا راستہ تکتے
ہے گزری زندگی اپنی
نہیں پتہ بھی خبر کہ وہ
[illegible] خبر ؟
[illegible] کو
[illegible] کب ہوئی
[illegible] مت پوچھو
[illegible] کب ہوئی

جاذبہ ضیافت عباسی.. دیول مری

[illegible] اداس آنکھوں سے ذرا سا مسکرائی۔

"میں نہیں مانتا......" وہ کسی ضدی بچے کی طرح اپنی بات پر اڑا تھا اور اس کا مستحکم انداز دیکھ کر ہی چندا کو اس پر ترس آنے لگا سو اسے بات مکمل کرنے کی بھی اجازت نہ دی اور بیچ میں بول پڑی۔

"کیا نہیں مانتے اور کس بنیاد پر یہ جو سارے بڑے عزت دار لوگ یہاں آتے ہیں ناں یہ سب مردوں کے نام پر دھبہ ہیں جس کوکھ میں جنم لیتے ہیں اسی کو ذلیل و خوار کرتے ہیں اور..... اور کیا سمجھتے ہیں آپ کہ......"

"مجھے باقی سب کی طرح کیوں سمجھ رہی ہو تم؟" اس مرتبہ جانی نے بھی اسے بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے سوائے اعتبار کے تم صرف میری باتوں کا اعتبار کرو اور بھروسہ رکھو کہ میں تمہیں عزت دینا چاہتا ہوں اور گناہ کی اس دلدل سے کہیں بہت

دور لے جانا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر چندا چونکی۔

اس کی ساری ہی باتیں باری باری چندا کو حیران کیے دے رہی تھیں آنٹی کی منہ مانگی رقم ادا کر کے وہ ساری رات ہی بس اس سے باتیں کرتا اور اس کی سنتا رہا تھا اور چندا یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ کیا واقعی یہ بھی مردوں کی کوئی قسم ہے؟ بھلا ایسے بھی مرد ہوتے ہیں کیا؟

آنٹی کی مہربانی سے وہ ایف اے مکمل کیے ہوئے تھی اور تب اس کے ذہن میں یہ خواہش بڑی شدت سے ابھری تھی کہ جس طرح فزکس کے اصولوں کے تحت عام مادے کے خواص معلوم کر لیے جاتے ہیں بالکل اسی طرح کاش کوئی ٹھوس اور مستند اصول ایسا بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی شخص کی نیت معلوم کی جا سکتی لیکن ایک بار حقیقت اور خواہش کا فرق اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

وقت مٹھی میں بند ریت کی طرح آہستہ آہستہ ہاتھ سے نکل رہا تھا اور صبح صادق بس ہونے کو تھی جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ بس اب بچھڑنا ناگزیر ہے۔

"تمہیں معلوم ہے چندا! نہ تم سے پہلے اور نہ تمہارے بعد میری زندگی میں کوئی نہیں ہے۔ جس جگہ تمہارے ساتھ اس وقت موجود ہوں جانتا ہوں کہ یہاں عورتوں کا بازار ہے ان کی قیمت لگتی ہے لوگ آتے ہیں خریدتے ہیں لیکن مجھے اس سوچ سے [illegible] میں...... میں تمہیں خریدنا نہیں چاہتا چندا کیونکہ خریدی ہوئی عورت کا بندہ استعمال تو کر سکتا ہے اس سے محبت نہیں کر سکتا اور مجھے تم سے محبت ہے ایسی محبت کہ میں یہاں کسی اور کا تمہاری طرف دیکھنا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

جانی کی باتیں چندا کے وجود پر تپتے کے آخری سرے پر گی بارش کی بوند کی طرح رک گئی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا جیسے جانی کی باتوں سے اس کے دل کے سمندر میں جذبات کے بڑے بڑے بھنور نمودار ہونے لگے تھے۔

رات ختم ہو چکی تھی اور صبح کی کرنیں دھرتی پر مکمل طور پر پھیلنے سے پہلے اسے یہاں سے جانا تھا۔ کچھ دیر ٹھہر کر اس نے چندا کے جواب کا انتظار کیا لیکن ان سوئی جاگی آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت دیکھ کر اٹھا اور گہری سانس لے کر بولا۔

"جب تک میرے جسم میں سانس باقی ہے تمہیں کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا لیکن اگر تم چاہو تو کیونکہ زبردستی کرنا محبت کے اصولوں میں کہیں نہیں ہے۔"

جس طرح کچھ لوگ مچھلی کھانے کے بعد دودھ پینے سے ڈرتے ہیں عین اسی طرح چندا بھی اس کی محبت کے یوں آشکار ہونے پر خوفزدہ ہو کر کچھ بھی کہنے سے گریزاں تھی سو ہونٹ بھینچے ہوئے جانی دروازے تک جا کر پھر پلٹا انتہائی کرب انگیز نظروں سے چندا کو دیکھا جیسے شاید مہاتما بدھ نے آخری بار [illegible] رانی اور بچے کو دیکھا ہوگا اور سوچا ہوگا کہ بچھڑنا اٹل ہے۔

اور پھر وہ بھی کچھ [illegible] دروازہ کھول کر باہر تو نکل گیا لیکن چندا کو لگا کہ [illegible] ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے دل کا مکین بن گیا [illegible] موسم باتیں ایک پرزم دکھائی دینے لگی تھیں [illegible] آنکھوں کے سامنے ایک خاص قسم کا [illegible] لگا ہوا ہے چاروں طرف جانی کی باتیں مجسم [illegible] میں نظر آنے لگی تھیں اور تب ایک عجیب قسم کا بوجھ [illegible] آن پڑا تھا اور اسے اس بات کا بے حد رنج تھا کہ اگر اس کا دل جانی کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا تو زبان کیونکر بے یقینی کے حصار میں مقید رہی اور جس بے بسی سے جاتے ہوئے جانی نے اسے دیکھا وہ نظریں گویا دل کے ساتھ چپک سی گئی تھیں۔

اس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر
جانے کا اس کے رنج مجھے عمر بھر رہا

وہی ایک لمحہ زیست کا
فاخرہ گل

بے کراں شب میں کہیں ایک ستارہ ہی سہی
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہی سہی
وہ ہیں اس جیت پہ نازاں' یہ خوشی کیا کم ہے
چلئے اس کھیل میں نقصان ہمارا ہی سہی

پینو' گڈی' رانی اور ناجی چاروں ہی کئی دنوں سے محض پانی پر زندہ تھیں ایسے میں ہمت تو کرنا ہی تھی پھر ناجی کی ذہنی حالت بھی ایسی نہیں تھی کہ اسے گھر چھوڑ کر پینو کوئی مزدوری ہی ڈھونڈ پاتی۔ وہ اچانک ہی بیٹھے بٹھائے گریہ وزاری اور معاف کردینے کی تکرار شروع کرتی تو پینو سے سنبھالی ہی نہ جاتی سو پہلے تو وہ دوسری بستی جا کر استاد کے سامنے منت سماجت کرکے ریڑھی لے کرآئی پھر ناجی کے ہی طریقے کو آزماتے ہوئے اسے افیم چٹائی اور محلے سے ایک عورت بلا کر اس کی مدد سے بمشکل ریڑھی پر ڈال کر اللہ کی اس وسیع زمین پر اس کا فضل تلاش کرنے نکل کھڑی ہوئی۔

اس کا بھی ارادہ بھیک مانگنے کے بجائے جانی کی طرح کوئی مزدوری کرنے کا تھا لیکن بھوک کے مارے جو اُبکائی آتی تو لگتا انتڑیوں سمیت سب کچھ باہر آجائے گا۔ نقاہت کے مارے اس سے دو قدم چلنا محال ہو رہا تھا' وہیں رانی اور گڈی کی حالت اس سے بھی ابتر تھی۔ گڈی اور رانی تو اِدھر اُدھر سے مٹی کی ٹکڑیاں اٹھا کر اسی طرح کھانے بھی لگی تھیں جس طرح عام طور پر کچھ ناخن کھاتے ہیں لیکن پینو بھی آخر کیا کرتی بے بسی کا عالم تو یہ تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود ان کے لیے کچھ کر نہیں پا رہی تھی۔ بستی سے نکل کر مین روڈ پر آئی تو ٹریفک جام میں سامنے کھڑی گاڑی کو دیکھ کر گویا اس کا دل کٹ کر رہ گیا فرنٹ سیٹ پر موجود میاں بیوی جہاں خوش گپیوں میں مصروف تھے وہیں پچھلی سیٹ پر بیٹھا بچہ خشک گوشت کے ٹکڑے اپنے کتے کے منہ میں ڈالتا ہوا اس کے لچھے دار بالوں میں ہاتھ پھیرتا جا رہا تھا اور کتا بڑی بے نیازی سے اپنے اگلے دونوں پنجے گاڑی کے نیم وا شیشے پر رکھے آتے جاتے لوگوں کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی کلاس ٹیچر ایک پُر ہجوم کلاس میں موجود بچوں کو دیکھا کرتی ہے۔ پینو کے دل پر پاؤں پسارے بیٹھا دکھ کا بوجھ بھیگی روئی کی طرح مزید وزن بڑھا گیا تھا۔

اس نے سر جھکا کر ایک نظر اپنے دائیں بائیں موجود رانی اور گڈی کو دیکھا جنہوں نے اپنی دانست میں فوراً وہ مٹی کی ٹکڑے والا ہاتھ پیچھے کر کے خیال کیا کہ شاید پینو اب تک ان کے اس عمل سے انجان ہے اور پینو نے بھی جان کر انجان بنتے ہوئے ان کے بھرم کو قائم تو رکھا مگر دوسری نظر اس کی دور کہیں آسمانوں پر اس بلندیوں والے ربّ کی تلاش میں ضرور گئی جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی اور جس کی نظر میں بلاشبہ تمام انسان برابر ہیں لیکن اس لمحے پینو کا دل چاہا تھا کہ اگر ان بلندیوں میں وہ اپنے ربّ کو ڈھونڈ لے تو اس سے یہ شکوہ تو ضرور ہی کرے گی کہ اے اپنے بندوں کو سب سے زیادہ چاہنے والے ربّ! جب تیری دنیا میں اشرف المخلوقات بھوک سے مر رہی تھی اور جانور ولایتی غذائیں کھا رہے تھے تو تُو نے ان کی خبر گیری کیوں نہ کی؟

عجیب رسم ہے چارہ گروں کی محفل میں
لگا کے زخم' نمک سے مساج کرتے ہیں
غریب شہر ترستا ہے اک نوالے کو
امیر شہر کے کتے بھی راج کرتے ہیں

انہی باغی سوچوں کے درمیان ٹریفک کب رواں دواں ہوئی اور لذیز گوشت کے مزے اڑاتا سفید روئی سا خوب صورت کتا آنکھوں سے کب اوجھل ہوا اسے پتا بھی نہیں چلا' احساس ہوا تو تب جب باسی روٹی خریدنے والے کا بڑا

ساتھیلا رش کی وجہ سے اس سے ٹکرایا' وہ ادھیڑ عمر شخص بھی شاید جلدی میں تھا اور تھیلا بھرا ہوا تھا اس میں سے پھپھوندی لگی روٹی کے چند ٹکڑے نیچے جا گرے جس پر گڈی اور رانی کی نظریں گویا چپک کر رہ گئیں تب دل نے بڑی خواہش کی کہ کاش یہ روٹی کسی طرح اسے مل سکتی اور وہ اپنی ننھی بہنوں کو کھلا پاتی لیکن دیکھنے میں یہ بے وزن سی روٹی اگر انسان کی زندگی کے پلڑے کے ایک طرف رکھ دی جائے اور دوسری طرف باقی تمام ضروریات تو بھی اسی روٹی کا وزن اس قدر زیادہ محسوس ہوگا کہ انسان کی ساری زندگی کی بھاگ دوڑ کا مرکز ہی روٹی لگنے لگتی ہے۔

اپنا آپ گھسیٹتے ہوئے رزقِ حلال حاصل کرنے کی دھن میں آخر کار وہ بھٹے تک آن پہنچی تھی جہاں دلیق کی مانند بلند قامت اینٹوں کا سرخ سے سیاہ ہوتا بھٹہ منہ سے دھواں اُگلتا ان کی پستی کو اپنی بلندی کے زعم میں نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ سرخ زمین کربلا کا منظر پیش کر رہی تھی۔ قطار در قطار کچی اینٹیں اپنی باری کی منتظر تھیں جبکہ پکی ہوئی اینٹوں کو مختلف مزدور گدھا گاڑیوں میں مطلوبہ تعداد کے مطابق رکھتے جا رہے تھے۔ کئی عورتیں اپنے نوزائیدہ بچوں کو دوپٹے کی مدد سے کمر پر باندھے بیس بیس اینٹیں ایک ہی وقت میں اٹھائے ہوئے تھیں اور تب ایک بار پھر پینو کا دھیان ریڑھی میں افیم کے زیر اثر غنودگی کی حالت میں پڑی اپنی ماں کی طرف چلا گیا۔ یہ بات ماننے میں اسے کوئی قباحت نہیں تھی کہ وہ لوگ ہر لحاظ سے مفلس تھے کہ مفلسی بھوک پیاس یا اشیاء ضرورت کی کمی کا نام نہیں بلکہ کاہلی اور بے غیرتی بھی اسی مفلس کے عنوان تلے درج ہونے والے سب ٹاپکس ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نے پتھر میں بھی کیڑے کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن پھر یہ بات بھی تو یاد رکھنی ہوگی کہ انسان پتھر کا کیڑا نہیں ہے بلکہ اشرف المخلوقات کا تمغہ سینے پر سجانے والی وہ مخلوق ہے جو بسا اوقات درندگی' حیوانیت اور بربریت میں صف اول پر کھڑی نظر آتی ہے اور پھر اشرف المخلوقات میں بھی سب سے افضل درجے پر فائز ہونے والی ماں..... سامنے بیس اینٹوں اور نوزائیدہ بچے کو اٹھا کر رزق حلال کمانے کی دھن میں مگن اس عورت اور ناجی کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر وہ خودترسی کا شکار ہونے لگی تھی' سامنے نظر آتے اس منظر نے پینو کے اندر موجود تمام غم' ذلتیں' رسوائیاں بھوک تنگ دستی ظلم بے عزتی سب کو ایک بار پھر زندہ کر دیا تھا اور اپنی ذات پر لگے ان برص نما داغوں کا غم ہر چیز پر چھانے لگا تھا۔

اسے لگا جیسے وہ جاگتے ہونے کے باوجود سوئی ہوئی ہو..... زندہ کھڑی ہونے کے باوجود مر چکی ہو۔ غم کا دھارا ایک بار پھر نشیب سے فراز کی جانب راہ ماپنے لگا تھا کہ اسی دوران ٹھیکیدار کی نظر اس پر پڑی اور اس سے پہلے کہ کسی طور خود اس کی طرف جاتی' تفتیشی نظروں سے دیکھتا وہ ٹھیکیدار اپنا بے ہنگم وجود لیے خود اس کے قریب چلا آیا۔

عورتیں مرد نوجوان لڑکے لڑکیاں کم عمر بچے سبھی کام میں مصروف تھے پینو نے بھی ہمت کر کے اس سے کام کی بابت پوچھا لیکن بغیر لگی لپٹی کے اس نے کام دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے للچائی نظروں کے ساتھ اسے اپنے پاس آنے کی ڈھکی چھپی بات کی تو پینو کو سب امیدیں ایک بار پھر ٹوٹتی محسوس ہوئیں۔ بغیر کچھ بولے دہشت زدہ ہو کر اس نے نفی میں گردن ہلائی تو ٹھیکیدار نے ریڑھی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اسے بھٹے کے علاقے سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ نظروں میں اب لالچ اور ہوس کی جگہ خشونت بھری تھی۔

چاروناچار بھٹے کی حدود سے اپنا بے جان وجود گھسیٹتے ہوئے وہ سڑک کنارے پہنچی ہی تھی کہ پان سگریٹ کے کھوکے پر بیٹھے دو اوباش آدمیوں نے اس کے سڑک کو چھوتے دوپٹے کا کونہ پکڑا جو پینو کے بڑھتے قدموں کے ساتھ ہی پل بھر میں ساتھ چھوڑ کر اسے بیچ سڑک میں بے حجاب کر گیا۔

''بڑی بے حال ہو رہی ہے لڑکی' خیر تو ہے ناں کہاں سے آ رہی ہے؟'' موچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے لوفرانہ انداز میں آنکھ مارتے کہا۔

''چادر دے دے میری ورنہ میں شور مچادوں گی سمجھا......'' پینو نے روہانسا ہوتے ہوئے رانی اور گڈی کو خود سے لپٹاتے ہوئے اپنا آپ چھپاتے ہوئے کہا۔

''چل چادر بھی مل جائے گی ادھر تو آ ایک دفعہ......'' مکروہ ہنسی شیطانی تاثرات کے ساتھ بکھرتی گئی۔

''کیوں بے کوئی ماں بہن نہیں ہے تیری؟ کیوں تنگ کررہا ہے اسے؟'' موٹر سائیکل پر گزرتے بوبی نے معاملہ بھانپتے ہوئے تیزی سے گزرتے موٹر سائیکل کو ریورس کیا تھا۔

''ماں بہن تو ہے یار پر اس کی کمی ہے۔'' دونوں نے ایک دوسرے پر ہاتھ مارتے ہوئے خباثت سے اسے دیکھا۔

''اور تجھے بڑی تکلیف ہورہی ہے چل تجھے ضرورت ہے تو تُو لے جانا۔ ہم اس چھوٹی پر ہی گزارا کرلیں گے۔'' چادر کا گولہ بنا کر بوبی کی طرف اچھالتے ہوئے بڑی سخاوت کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی اپنی پسند اور حق سے دستبردار ہوکر اب رانی کو منتخب کیا۔

''بے تیری تو میں......'' چادر پینو کی طرف پھینکتے ہوئے بوبی فوراً موٹر سائیکل سے اترا اور گالی دیتے ہوئے اپنی شرٹ اٹھا کر پینٹ میں اڑستا ہوا ریوالور دونوں پر تان لیا۔

''تم لوگ مجھے بھول گئے ہوگے لیکن میں نہیں بھولا اور دیکھنا اس دن کا بدلہ آج لیتے ہوئے وہ حشر کروں گا کہ آئندہ اس قابل ہی نہیں رہو گے دونوں۔'' نسبتاً فربہ شخص کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے بوبی نے کہا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور لہجے کی مضبوطی اور آہنی جسم کو دیکھ کر دوسرا پاس کھڑا گھگھیانے لگا۔

''اوئے بابر تُو......؟'' کل اور آج کے بابر میں اس قدر فرق دیکھ کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

جذباتی تو وہ تھا ہی اس پر آج موقعہ بھی تھا جبھی ریوالور صرف دکھاوے کے لیے استعمال کرتے ہوئے ان دونوں پر اپنی بازوؤں کی طاقت یوں آزمائی کہ انہیں ہاتھ باندھ کر بھاگتے ہی بنی لیکن اس کے ساتھ ہی پینو کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ ریڑھی پر کچھ دیر سہارا لینے کی خاطر کوشش کرتے کرتے اب وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ رانی اور گڈی بھی اس کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگیں تو بوبی کی بوکھلاہٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، ریڑھی میں بے ہوش پڑی ادھیڑ عمر عورت، سڑک کنارے گری پینو اور روتی چیختی سہمی ہوئی دونوں بچیاں...... آخر اب وہ انہیں کس کے سہارے پر چھوڑے؟ یہیں چھوڑے یا ساتھ لے جائے؟ ساتھ لے جائے تو کہاں؟ ان دونوں کے سامنے رعب اور دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرنے والا بوبی اس انوکھی صورتِ حال پر بُری طرح بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔

❁......❁......❁

یہ سچ تھا کہ پہلی مرتبہ ان رنگین کلیوں میں آنے سے پہلے بوبی اور جانی نے عہد کیا تھا کہ وہ صرف ایک ہی مرتبہ جاکر وہاں کی دنیا دیکھیں گے اور بس اس کو وہ اپنی عادت ہرگز نہیں بنائیں گے اور اس وعدے پر بوبی تو قائم رہا لیکن جانی اس وعدے سے کچھ مکر سا گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بوبی کے ساتھ گیا تھا اور گزری ہوئی شب بھی وہ گیا تو ضرور مگر ظاہر ہے کہ بوبی کے بغیر۔ باوجود اس کے کہ اس کے علم میں جانی کے بتائے بغیر بھی سب تھا اور آج پھر وہ جانے کے لیے تیار ہورہا تھا کہ بوبی عجلت میں گھر کے اندر داخل ہوا اور آتے ہی کبب بورڈ میں موجود لاکر کی چابی نکالنے لگا۔

''کیوں بھئی خیر تو ہے؟ نہ سلام نہ دعا...... لگتا ہے بڑی جلدی میں ہے۔'' جانی نے اندازہ لگایا۔

''ہاں یار دراصل نیچے ٹیکسی میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں ان کے ساتھ جارہا ہوں۔ کچھ پیسے چاہیے تھے بس اس لیے گھر آنا پڑا۔ تجھے کوئی کام تو نہیں آ چل اکٹھے چلتے ہیں۔''

''نہیں یار تُو جا میں ذرا چندا کی طرف جارہا ہوں۔'' سر کھجاتے ہوئے اس نے کہا تو الماری میں گھسے بوبی نے سر باہر نکال کر اسے دیکھا اور شرارت سے سیٹی بجاتے ہوئے ہونٹ سکوڑے۔

''تُو مجھے غلط نہ سمجھ یار میں کسی غلط کام کے لیے نہیں جارہا۔'' بوبی کے معنی خیز انداز میں سیٹی بجانے پر جانی خجل

سا ہو گیا تھا۔

"نہیں تو کیا تُو وہاں پر یتیموں کے لیے چندہ مانگنے جاتا ہے؟" نوٹ گنتی کرتے ہوئے بوبی نے لحہ بھر کے لیے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یار بوبی! میں اس لڑکی کو وہاں کے بدبودار ماحول سے نکال لینا چاہتا ہوں' بس تُو دعا کر کہ وہ میرا ساتھ دے۔"

"اوئے تو سیریس ہے' سچ سچ بتا۔" نوٹوں کو گنتی کے دوران ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتی انگلیاں تھم سی گئی تھیں۔

"سچ ہی تو کہہ رہا ہوں' اب کیا قسم لے گا مجھ سے؟" اور بوبی جانتا تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے کیونکہ اس کے چہرے پر بکھری سچائی خود سے اپنا ہونا بیان کر رہی تھی۔

"یہ پیسے تجھے پتا ہے ناں استعمال کرنے سے پہلے تجھے سوچنے کی ضرورت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہوگی' سمجھا ناں؟" بوبی لحہ بھر کے لیے رکا تو جانی نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"جتنا روپیہ چاہیے لے کر اسے وہاں سے نکال لا' میں ہر طرح سے تیرے ساتھ ہوں' لیکن سن زبردستی نہیں' ہاں......"

"بالکل نہیں اگر آج پھر وہاں جانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ میں نہیں چاہتا آنٹی نما عورت اسے منہ مانگی رقم دے کر اب کسی اور کے حوالے کر دے اور میں اس دن تک روز جاؤں گا بوبی جب تک اسے وہاں سے نکال نہیں لاتا۔"

"ہوں' چل ٹھیک ہے کسی ایک لڑکی کی تو زندگی برباد ہونے بچے گی ناں۔" روپے گننے کے بعد ان پر ربڑ چڑھاتے ہوئے بوبی نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور باہر نکل گیا۔

جانی بھی تقریباً تیار ہی تھا سوان دو اداس خوابیدہ آنکھوں کا تصور ذہن میں لیے تنقیدی نظروں سے خود کو آئینے میں دیکھا اور سیڑھیاں پھلانگ کر پارکنگ میں کھڑی موٹر سائیکل تک پہنچا اور ہوا کی رفتار سے اڑاتا ہوا ایک بار پھر اس جگہ جا پہنچا جہاں خلاف قدرت گویا سورج رات کو حاضری دینے آتا اور صبح ہوتے ہی وقت مقررہ پر جھروکوں سے غائب ہو جاتا اور پردے گرا دیئے جاتے۔

سیڑھیاں چڑھنے کے بعد آج بغیر کسی تعارف کے وہ اسی وسیع ہال نما کمرے میں پہنچا تو آنٹی شاید کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ اسے دیکھا تو حیران سی رہ گئیں اور اس سے کہیں زیادہ حیران اس وقت ہوئیں جب جانی نے آج پھر چندا کے ساتھ رات بتانے کے لیے طے شدہ رقم ان کے سامنے رکھ دی۔

"میاں لگتا ہے دل دے بیٹھے ہو ہماری چندا کو۔" انگوٹھیوں والا ہاتھ بڑی ادا سے ماتھے تک لے جاتے ہوئے آنٹی نے آگے سے کٹے ہوئے بالوں کو پیشانی پر سے پیچھے دھکیلتے ہوئے پیشہ وارانہ انداز میں کہا۔

"ارے نہیں آنٹی! بس اپنا غم غلط کرنے کا وقتی بہانہ ڈھونڈا ہے اور بس...... ورنہ یہ دنیا تو ہماری دنیا سے کہیں مختلف ہے اور بھلا کیا تیل اور پانی کا بھی کبھی ملاپ ہو پایا ہے؟" وہ آنٹی کو شک بھی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آنٹی کو چندا سے بڑی امیدیں ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کی تجوری گوندنی کے پیڑ کی طرح بھر جائے گی اور اگر انہیں جانی کے ذہن میں پلتے کسی بھی خیال کی کوئی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اسے چندا سے ملنے تو دور دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیں گی۔

"ہوں...... بڑے سمجھ دار لگتے ہو۔" آنٹی اس وقت بوسنیا کے سربوں کی طرح ہر قسم کے اختیارات کے نشے میں ایک چیل صفت عورت کی مانند معلوم ہو رہی تھیں جبکہ دوسری طرف جانی میں بوسنیا کے مسلمانوں سا جذبہ تھا' خالص' بھرپور اور سچا۔

"ویسے بھی میں نے اس کی پرورش اور دیکھ بھال ہسپتال کے انوبلیٹر میں رکھے ست ماہی بچے کی طرح بڑی مشکل سے کی ہے اور میں اسے کسی غلط انسان کے حوالے کبھی نہیں کر سکتی۔"

"جانتا ہوں آنٹی! اور میں اب تو یہاں کا پکا گاہک ہوں' اکیلی جان ہے میری نہ گھر نہ گھر والے۔ کچھ وقت چندا کے ساتھ گزاروں گا پھر کسی اور کے ساتھ اور پھر کسی اور کے......" ہال میں داخل ہوتی دو لڑکیوں کو جان بوجھ کر جانی

نے تفصیلی نظروں سے دیکھا۔ ”البتہ پیسوں کی شکایت نہیں ہونے دوں گا کبھی۔“

”ہوں......“ آنٹی نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے کچھ سوچا اور بندو کو بلا کر چندا کو تیار ہونے کا پیغام بھجوانے کے بعد اسے انتظار کرنے کا کہا اور خود اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ روانہ ہوگئیں تو جانی نے ان کے جاتے ہی سکھ کا سانس لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا اور کچھ ہی دیر بعد بندو کی ہمراہی میں رنگدار شیشوں کی ٹکڑیوں سے سجے روشندان کے اس پار جا پہنچا جہاں غیر متوقع طور پر آج پھر جانی کو اپنے سامنے موجود پا کر چند لمحوں کے لیے اداس اور خوفزدہ بیٹھی چندا کھل سی گئی تھی اور اس کے چہرے پر بکھرتے خوب صورت رنگ جانی کی آنکھوں سے چھپ نہیں پائے تھے۔

”آپ...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ وہ جو اس کے جانے سے اب تک دل کا بوجھل پن برداشت کر رہی تھی، برداشت نہ کر سکی تو پوچھ ڈالا۔

”یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا کہ تم میرے آنے پر یوں خوش بھی ہو سکتی ہو۔“ جذبات کا جواب جذبات سے ہی دیا گیا تھا۔

”دراصل مجھے لگتا تھا کہ اب آپ شاید واپس نہ آئیں اور اگر آپ آئے بھی تو اتنی جلدی یوں دوسرے ہی دن...... اس بات کا تو مجھے ہرگز یقین نہیں تھا۔“ ننھا سا دہانہ مسکراتے ہوئے کھل سا گیا تھا۔

”میں اس وقت تک آتا رہوں گا جب تک تمہیں میرا یقین نہ آ جائے۔“ حسب سابق اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھنے کے بجائے وہ ایک مناسب فاصلے پر موڑھا رکھ کر بیٹھ گیا اور اس کے جواب میں چندا کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور سنجیدگی نے اپنا وجود ظاہر کیا۔

گھٹنوں کے بل بیڈ کے کنارے تک پہنچ کر وہ نیچے اتری اور آج اس کے بغیر کہے ہی باتھ روم جا کر کپڑے بدل کر اور میک سے اٹا چہرہ دھو کر آئی تو ابھرتے سورج کا یہ منظر جانی بڑی دلچسپی اور شوق سے بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

”میں آپ پر کبھی بھی یقین نہیں کروں گی۔“ باتھ روم سے آنے کے بعد اس نے ہلکے ہاتھ سے اپنا گیلا چہرہ تھپتھپایا۔ کل کے مقابلے میں آج وہ ریلیکس تھی اور جانی سے ڈرے جھجکے یا خوفزدہ ہوئے بغیر بات کر رہی تھی اور اس کے یوں کہنے پر جانی کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر رک سا گیا تھا۔

”مجھے حیرت ہے چندا کہ اس ماحول میں پلنے بڑھنے کی وجہ سے تمہیں اب تک انسانوں کی پہچان دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہونی چاہیے لیکن پھر بھی تم میرے جذبوں کی سچائی پر یقین کیوں نہیں کر پا رہی ہو۔“

”میں آپ پر کبھی یقین نہیں کروں گی کیونکہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا ناں کہ آپ اس وقت تک ہی آئیں گے جب تک میں یقین نہ کر لوں۔“

”اوہ...... تو یہ بات ہے۔“ جانی نے گہری سانس لی۔ ”اگر کبھی جو میں نے آنا چھوڑ دیا تو یاد کرو گی مجھے......؟“

”ہم بھلانے والوں میں سے نہیں ہیں بلکہ لوگ ہمیں بھلانے میں محض چند لمحے لیتے ہیں اور بس رات گئی بات گئی سمجھ کر اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں۔“ چندا نے سچائی سے اعتراف کیا۔

”اگر آپ نا آئے تو یقیناً کوئی اور ہوگا اور ہر کوئی آپ کی طرح ہو یہ ناممکن ہے۔“ ایک مدھم سی مسکراہٹ جملے کے آخر میں اس کے گلابی گالوں پر بکھری تو ضرور مگر ان ادھ کھلی آنکھوں سے ویرانی کے موسم نے ہجرت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

”جبھی تو کہتا ہوں کہ میرا اعتبار کرو میں نہ تمہیں کبھی بھولوں گا اور نہ ہی تنہا چھوڑوں گا کیونکہ میں صرف ایک دو دن یا مہینے بھر کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنانا چاہتا ہوں اور اس دلدل سے باہر نکال لینا چاہتا ہوں۔“ جانی کے گمبھیر لہجے پر چندا ایک بار پھر چونک گئی تھی الفاظ چیخ چیخ کر اپنے سچے ہونے کی گواہی دے رہے تھے لیکن چندا اب تک ذہنی طور پر خوفزدہ تھی اگر مگر لیکن ویکن مل کر اس کے قدم ڈگمگائے دے رہے تھے کہ ایسے کبھی نہ

بھولنے والوں کے وعدے تو وہ پالنے سے ہی سنتی آئی تھی۔ لیکن پھر بھی جانی کے رویے نے اسے چندا کے دل میں بالکل منفرد مقام بخشا تھا جس کی بڑی وجہ اس کا چندا کو عزت دینا تھا' اتنے روپے دینے کے بعد بھی نہ گانا نہ فسانہ......وہ بھی اسے اسی بات پر آمادہ کرنے کی دھن میں تھا کہ کسی طور وہ یہاں سے نکل کر نئی زندگی شروع کرنے کی ہمت کرے اور بس......باہر سے آتی ہلکی سرد ہوا کمرے کے ماحول کو بوجھل کرنے لگی تھی' اپنے سچے جذبات کی بے قدری پر جانی بھی دل مسوس کر رہ گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ چندا نے اٹھ کر کھلی ہوئی کھڑکی بند کی' اسی دوران کمرے کے دروازے پر دستک کے ساتھ ہی بندو کی آواز ابھری۔

''چندا بی بی! کچھ کھانے کو لایا ہوں اگر موڈ ہو تو......''

بندو کی آواز آئی تو دونوں کی نظریں باہم ملیں لیکن چندا کی سوالیہ نظریں جانی کی شکوہ کناں آنکھوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکی تھیں اور وہ خوامخواہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بندو آ جاؤ اندر۔'' چندا نے باتھ روم کا دروازہ بند کیا ہی تھا کہ بندو کسی روبوٹ کی مانند ایک ٹرے میں گرما گرم آلو کے پراٹھے' دہی پودینے کی چٹنی اور لسی رکھے اندر لے آیا۔ ایک طرف رکھا چھوٹا سا میز گھسیٹ کر موڑھے پر بیٹھے جانی کے سامنے رکھا' برتن سجائے اور جس طرح نظریں نیچے کیے ہوئے آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔ اس کے جانے کے فوراً بعد چندا نے باہر آ کر دروازے کو لاک کیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھے یوں اس گھریلو حلیے میں دیکھ کر بندو آنٹی سے کچھ بھی کہتا اور وہ مجھ سے طرح طرح کے سوال کرنے لگتیں اس لیے۔'' چندا نے وضاحت کی تو جانی نے بھی دل ہی دل میں اس کے محتاط رویے کو سراہا۔

''لیکن اس وقت یہ پراٹھے؟''

''میں نے ہی بنوائے تھے لیکن جب پتا چلا کہ کوئی گاہک آیا ہے تو بھوک مر گئی اور میں نے کھانے سے انکار کر دیا' شاید اسی لیے پوچھنے آ گئے تھے۔''

''ہوں چلو پھر کھانا شروع کرو۔''

''اور آپ......آپ نہیں کھائیں گے کیا؟'' چندا کو لگا شاید جانی اس سے ناراض ہے۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' چندا نے اٹھ کر ہاتھوں سے نوالہ بنا کر کھلانا چاہا لیکن جانی نے شائستگی سے منع کر دیا اور خود نوالہ بنا کر اس کا دل رکھنے کی غرض سے کھانے لگا۔

''ناراض ہیں مجھ سے؟''

''نہیں تو' تم نے یہ کیوں سوچا؟''

''بس مجھے لگا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں' اس لیے پوچھ لیا۔'' اس کے لیے بنا گیا نوالہ چندا نے اپنے منہ میں ڈالا۔

''ہوں......اچھا چھوڑو' یہ بتاؤ تمہاری کوئی دوست ہے؟''

''بچپن میں تو بہت تھیں مگر جب سے یہاں آئی ہوں کوئی بھی اس قابل نہیں لگتی کہ انہیں دوست بناؤں۔''

''بچپن میں یعنی تم......'' اس کی روانی میں کہی گئی بات پر جانی چونکا تھا مگر شاید چندا اس سے اپنا ماضی شیئر نہیں کرنا چاہتی تھی جبھی اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹالنا چاہا تو جانی نے بھی زیادہ اصرار نہ کیا۔

باہر رات کی تاریکی ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی اور صبح کی سپیدی ظاہر ہونے تک محض چند ایک باتوں کے علاوہ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل طور پر جان چکے تھے' چندا دل ہی دل میں اس کی احسان مند تھی کہ بھیڑیوں کے اس جنگل میں وہ اب تک اسے بچائے ہوئے تھا اور اسی کی بدولت وہ اب تک کسی کے بھی ہوس میں لتھڑے لمس اور بہکی ہوئی باتوں کے تعفن زدہ شیرے سے مکمل طور پر محفوظ تھی۔

جبھی تو اس رات دونوں کے درمیان فون نمبرز کے تبادلے بھی ہوئے اور جب وہ جانے لگا تو چندا نے خود کہہ کر بندو سے چائے منگوائی' یقیناً وہ اس وقت کے تھم جانے اور اس رات کی کبھی صبح نہ ہونے کی خواہاں تھی لیکن یہ وقت بھی کبھی تھما ہے بھلا......!

❁......❁......❁

"اوہ اچھا......اور پھر۔" ٹیکسی کے ذریعے وہ ان چاروں کو کسی طور اسی گھر میں لے آیا تھا جہاں وہ خود پلا بڑھا تھا اور جس کی درودیوار کے ساتھ اب بھی اسے اپنی ماں کی خوشبو لپٹی ہوئی محسوس ہوتی۔

"بس پھر کیا' باقی بھٹے سے واپسی تک۔ کے حالات تو ویسے بھی آپ کے سامنے ہی ہیں۔" پینو نظریں جھکائے اپنی انگلیاں مسل رہی تھی' ناجی پاس ہی چارپائی پر سوئی ہوئی تھی یوں بھی وہ بیمار تو تھی نہیں کہ اسپتال لے جایا جاتا اور یہ گھر کیونکہ بوبی خرید چکا تھا اس لیے انہیں پریشان حال سمجھ کر یہاں لے آیا تھا۔ پینو ٹیکسی میں ہی ہوش میں آ گئی تھی' گھر آ کر پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو حواس بحال ہونے لگے اور اس نے اول تا آخر اسے سب کچھ سچ سچ بتا بھی دیا۔

پینو کی آواز میں رچی اداسی خود بوبی کے دل کو گھائل کر رہی تھی اور ویسے بھی پینو کے حالات و واقعات سننے کے دوران مختلف سوال کرتے ہوئے کڑیوں سے کڑیاں ملاتے ہوئے بوبی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہونا ہو یہ جانی ہی کے گھر والے ہیں اور تب سے اس نے اس بچے کھچے گھرانے کی خوشیاں ہر ممکن طریقے سے لوٹانے کا عہد کیا تھا لیکن اس کے لیے اسے سب سے پہلے پینو کو اعتماد میں لینا تھا جو اس کے یوں التفات برتنے پر بے حد حیران تھی' ابھی وہ اس پہلو پر سوچ ہی رہا تھا کہ ناجی سوتے سوتے ہی ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"بچالو مجھے خدارا بچالو۔" بوبی کو سامنے پایا تو اسی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور پھر چونک کر پینو کی طرف رخ کیا۔

"یہ دیکھ پینو میرے جسم سے خون رس رہا ہے' کیسے غلیظ زخم ہو گئے میرے جسم پر اور دیکھ تو کتنی بدبو اٹھ رہی ہے ان میں سے۔" ناجی اپنے نادیدہ زخم پینو کو دکھا رہی تھی اور ساتھ ساتھ میلے ناخنوں سے ان زخموں کو کھرچتی بھی جا رہی تھی جو حقیقت میں تھے ہی نہیں۔ پینو بھی اس کی تسلی کے لیے دل جوئی کرتے ہوئے اس کے جسم کو ہلکے ہاتھ سے سہلاتی جا رہی تھی۔

"اور......اور یہ کمر تو دیکھ میری' کوڑوں کی ضربیں مجھے لیٹنے نہیں دیتیں' کیا کروں کوئی مجھے معاف ہی نہیں کرتا وہ جو اوپر بیٹھا ہے ناں وہ تو مجھے دیکھتا بھی نہیں ہے۔" ناجی کی آنکھیں برسنے لگی تھیں کہ اچانک بڑی سرعت سے نیچے اتر کر پاؤں لٹکا کر بیٹھی پینو کے پاؤں پکڑ لیے تو گھبرا کر پینو اس کے ہاتھ ہٹا کر خود بھی نیچے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ بوبی کے لیے یہ سب انتہائی حیرت انگیز عمل تھا سو وہ بھی ناجی کی حرکتوں پر ششدر رہ گیا۔

"تُو بھی تو مجھے معاف نہیں کرتی ناں پینو! تو پھر وہ اوپر والا کیسے کرے گا معاف؟" گلوگیر لہجے میں ناجی نے بچوں کی سی معصومیت سے شکوہ کیا۔

"اماں تُو کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے تجھے معاف کر دیا ہے آج نہیں بہت دنوں پہلے ہی اور تُو خود سوچ ناں کیا میں تجھ سے خفا ہو سکتی ہوں۔"

"اگر تُو راضی ہے تو یہ سرخ انگاروں سی آنکھوں والے لوگ کیوں میری طرف آ رہے ہیں اور......اور اس کا کوڑا بھی تو نہیں رکتا ناں پینو! انہیں روک دے خدا کا واسطہ ہے انہیں روک دے۔" ناجی نے کمرے میں کسی نہ نظر آنے والی چیز کی جانب اشارہ کیا اور پھر ایک دم ناجی کی دلخراش چیخ جو کمرے میں ابھری تو وہ درد سے بلبلاتی محسوس ہوئی۔ بوبی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ایسے میں انہیں سکون پہنچانے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔

پینو نے آگے بڑھتے ہوئے تڑپ کر ناجی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹنا چاہا' گڈی اور رانی بھی ماں کی یہ حالت دیکھ کر بلکنے لگی تھیں۔ لاکھ کوشش کے باوجود پینو ناجی پر اپنی گرفت قائم نہیں رکھ پا رہی تھی' نتیجتاً وہ بار بار پچھاڑیں کھانے لگتی۔

"انہیں کیا ہو رہا ہے پینو! اور یہ کیسے ٹھیک ہوں گی؟" بوبی نے ناجی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تو پینو اس کی موجودگی کا سہارا جان کر فوراً ہی رو دی۔

یوں بھی تنہا حالات کا مقابلہ کرتے کرتے اب وہ تھکنے لگی تھی لیکن پھر بھی باوجود کوشش کے حالات تیز ہوا کی طرح قابو میں ہی نہ آتے اور پھر ناجی کی حالت اس کے

لیے دُہری اذیت تھی۔

''لوگ کہتے ہیں شاید انہیں کسر ہوگئی ہے۔'' دوپٹے کے کونے سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے لوگوں کا تجزیہ بوبی کے سامنے رکھ چھوڑا تھا۔

''کسر......؟'' بوبی اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

''مطلب کوئی جن وغیرہ...... دماغ کام نہیں کرتا ان کا۔'' بوبی کو باتیں کرتے دیکھا تو پینو کی گرفت سے خود کو ایک جھٹکے میں آزاد کرواتے ہوئے اب وہ بوبی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور یہی وہ موقعہ تھا جب پینو نے موقع پاتے ہی جانے کیا عقب سے آ کر اس کے منہ میں ڈالا کہ وہ رفتہ رفتہ سست ہونے کے بعد غنودگی میں چلی گئی۔

بوبی کے لیے یہ طریقہ علاج انتہائی حیران کن تھا' کچھ دیر وہیں موجود رہ کر سوچتے ہوئے وہ اٹھا اور محلے کے امام مسجد کی طرف چل دیا کہ اس کے ذہن میں یہ بات بچپن سے نقش تھی کہ دنیا میں ظاہر ہونے والی کوئی بیماری' پریشانی یا آفت ایسی نہیں جس کا علاج اس کتاب برحق میں نہ ہو جسے ''قرآن کریم'' کہا جاتا ہے۔

❀......❀......❀

جانی تب سے مسلسل چندا سے ملنے کے لیے ہر رات جاتا رہا اور آنٹی بھی خوش تھیں کہ ان کی توقع کے عین مطابق چندا نے اسے اپنی زلفوں کا اسیر بنا لیا تھا۔ آنٹی کو ادا کی جانے والی بھاری رقم حاصل کرنے کے لیے ان کا طریقہ کار وہی تھا جو ان سے ملنے سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ رات کو تو روزانہ دونوں کی ملاقات ہوتی ہی تھی مگر اکثر دن میں بھی میسجز کے ذریعے گپ شپ جاری رہتی۔ جانی بڑی سنجیدگی سے اسے وہاں سے نکال کر ایک نئی زندگی شروع کرنے کا خواہاں تھا اور خود چندا بھی اس کے اب تک کے رویے کے باعث کسی بھی قسم کا رسک لینے کو تیار تھی۔

اس روز جانی چندا ہی سے ملنے کو تیار ہو رہا تھا جب بوبی نے ریموٹ سے ٹی وی چینل تبدیل کرتے ہوئے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

''ہم پر اللہ کا کتنا کرم ہے ناں جانی!'' بوبی نے زیرلب ملکے سے مخاطب تو اسے کیا تھا لیکن یوں لگا کہ وہ خود سے ہی ہم کلام ہے جبھی جانی چونک گیا۔

''تُو خود سے باتیں کر رہا ہے یا مجھ سے کچھ کہا؟''

''سوچ رہا تھا کہ اللہ کی کتنی مہربانی ہے ہم پر' دنیا کی ہر آسائش ہے ہمارے پاس روپیہ پیسہ جتنا چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔'' کسی گہری سوچ میں گم بوبی بولے چلا جا رہا تھا۔

''ہاں یار! تُو نے تو وہی بات کی ہے ناں کہ ہم سے بھی بڑے لٹیرے یہ سرکاری افسران' رشوت' جعلسازی' غبن' ذخیرہ اندوزی' حق تلفی اور ٹیکس چوری سمیت خدا جانے کن کن طریقوں سے حرام کا پیسہ کماتے ہیں' عالی شان محل نما کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں اور اوپر جلی حروف میں ''یہ سب تمہارا کرم ہے آقا'' لکھ کر خود کو دنیا کا سب سے بڑا عاجز انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اپنی ہر کامیابی کو اللہ ہی کی دین سمجھتا ہو۔'' جانی نے اس کی گہرائی میں کی گئی بات کو یکسر ہنسی میں اڑا دیا تھا۔

''او میرے یار! حرام کے روپے جیب میں ڈال کر حلال گوشت ڈھونڈنے والے اس ملک کے کتنے سارے لوگ اسے اللہ ہی کی مہربانی اسی طرح سمجھتے ہیں جیسے آج تُو اس چوری ڈکیتی کے مال کو سمجھ رہا ہے۔''

''کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ ہم بھی اپنی ماں کے ساتھ پوش مکان میں نہ سہی کسی چھوٹے سے گھر میں رہ رہے ہوتے۔'' جانی کے طنز کو قطعاً نظرانداز کرتے ہوئے وہ اپنی ہی دھن میں مگن بول رہا تھا۔

''ہونہہ' وہ ماں جو اپنی اولاد کو دو نوالے روٹی کے نہ دے سکے۔'' جانی کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''تو ظاہر ہے روٹی دینا ماں کی تو نہیں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کے بعد ہم جیسے جوان بیٹوں کی۔'' بوبی کی بات کے جواب میں جانی چپ ہو گیا تھا کیونکہ اصل بات بوبی کو بتاتے ہوئے اسے خود اپنی ہی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی اور ماضی بچھو کے ڈنک کی طرح لحہ بہ لحہ اسے

اذیت دینے لگا تھا۔

"یار میری تو ماں چل ہے ہی نہیں لیکن کیا تُو نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ تیری ماں اور بہنیں انسانوں کے اس جنگل میں خود کو ان بھیڑیا نما انسانوں سے کس طرح بچا رہی ہوں گی؟ کیا تیرا دل نہیں تڑپا ان کے لیے۔" لوہا گرم محسوس ہوا تو بوبی نے ضرب لگانے میں ہرگز دیر نہیں کی تھی اور وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی تروتازہ محسوس ہو رہا تھا اب اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔

"یار میری زندگی تباہ کرنے والی صرف اور صرف میری ماں ہے...... سگی ماں۔" ایک تھکی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے وہ صوفے پر اس کے قریب ہی ڈھے سا گیا تھا' جیسے لمبی مسافت عبور کرنے کے بعد ابھی آرام کرنا نصیب ہوا ہو۔ چہرے پر صدیوں کی تھکن طاری تھی۔

"میری ماں نے مجھے صرف اس وقت محبت کی نظر سے دیکھا جب میں ہاتھ میں پیسے لے کر گھر پہنچا' خالی ہاتھ گھر جانے پر شفقت بھری نظر' ممتا بھرے پیار کا لمس تو دور کی بات ہے بوبی! روٹی تک میرے حصے میں نہیں آتی تھی اور یہی میری ماں جانے کیسے میرے سامنے بیٹھ کر خود پیٹ بھر لیا کرتی تھی۔ مجھے خیال آتا ہے تو صرف اپنی بہن کا جو میری خاطر اپنی بھوک نظر انداز کر کے میری خاطر اپنی روٹی بچا دیتی تھی اور چھپ چھپ کر مجھے دیتی کہ میں کھا لوں۔" بوبی کے سامنے اس نے اپنی ماں یا گھر والوں کا کبھی اس زاویے سے ذکر نہیں کیا تھا مگر آج اس سے چھپایا نہیں گیا تھا اور وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا۔

"تجھے پتا ہے کہ میں نے حلال روزی کے لیے اپنی ماں سے کتنی گالیاں سنی ہیں؟ میں بھیک مانگنے کے بجائے خود محنت کر کے کمانا چاہتا تھا یار! لیکن کیا کرتا ہر بار ناکامی ہوتی اور مجھ سے زیادہ دیہاڑی ان سب کی لگتی جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھے رہتے۔" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

"اور اسی بات پر میرا باپ مجھے مارتا تھا کہ میں مارا مارا پھرنے کے بجائے کیوں ان کی طرح بھیک نہیں مانگتا اور...... اور یہ جو میں چوریاں کرتا ہوں ناں اس کی بھی سب سے بڑی ذمہ دار میری ماں ہے' جس نے پہلی مرتبہ ٹھیلے سے ٹکیاں چرا کر لانے پر مجھے اتنا پیار دیا ابا کے سامنے اس قدر سراہا کہ مجھے اپنی ماں کا وہ پیار حاصل کرنے کے لیے بار بار چوری کرنی پڑی۔ اگر وہ معمولی پر قناعت کر کے غیر معمولی کی خواہش نہ کرتی اور اگر وہ میری پہلی چوری پر ہی سرزنش کرتی تو میں کبھی بھی اس جرم میں ملوث ہو کر آج اس حد تک نہ پہنچتا۔" بوبی اس کی باتوں کا پس منظر جان کر خود بھی دکھی ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ وہ دونوں ہی حلال روزی کمانے کی خواہش رکھتے ہیں۔

"جس طرح آم کی ایک گٹھلی میں تین چار سو آم چھپے ہوتے ہیں ناں بالکل اسی طرح ایک برائی سے اس سے بھی زیادہ برائیاں جنم لے سکتی ہیں۔" پشت صوفے کے ساتھ ٹکا کر اس نے سر بھی پیچھے دیوار کے ساتھ لگا کر آنکھیں بند کیں اور ایک بار پھر گہرا سانس لیا' اتنا گہرا کہ جیسے وہ اندر کا سارا بوجھ باہر نکال پھینکنا چاہتا ہو۔

"کبھی سوچتا ہوں میں کیا تھا اور کیا ہوں' کیا کیا سوچا کرتا تھا اور اب ہونہہ...... کیا کرتا ہوں محنت کی' حلال کی کمائی کے لیے میں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا لیکن آج وہی زندگی گزار رہا ہوں جس سے میں انتہائی نفرت کیا کرتا تھا اور پھر اگر تُو مجھے نہ ملتا تو میں آج جانے کس حال میں ہوتا۔ تیرے مجھ پر بہت احسان ہیں یار!" باتوں کے درمیان ہی ایک دم اس تشکر آمیز نظروں سے بوبی کو دیکھا جو بڑے دھیان توجہ اور دلچسپی سے اس کی ساری باتیں سن رہا تھا۔

"لیکن میں نے کیا کیا جس کنویں میں خود گرتا جا رہا تھا اسی میں ہاتھ پکڑ کر تجھے بھی گھسیٹ لیا۔" بوبی تاسف سے بولا' ملال کا ایک گہرا رنگ اس کے چہرے پر بھی نمایاں تھا۔

"اچھا چل جانے دے چھوڑ اب تُو گر ہی گئے ناں تو کیا غم اور ایسے بھی یہاں کون سا ہمارے لیے کوئی کنویں میں رسی ڈالے بیٹھا ہمارے نکلنے کی دعائیں کر رہا ہے۔" بوبی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر دل کا بوجھل پن ہنسی میں اڑانے کی کوشش کرتا جانی اٹھ کھڑا ہوا اور ٹی وی کے سامنے رکھا والٹ

جیب میں ڈال کر گھر اور موٹر سائیکل کی چابی اٹھائی اور اس سے پہلے کہ کمرے سے نکلتا بوبی کی آواز پر رک کر پلٹا۔

"جانی اگر میں کہوں کہ کوئی ہے جو راتوں کو جاگ جاگ کر تیری واپسی کی دعائیں مانگتا ہے تو؟" اس کی بات پر ٹھٹکتے ہوئے جانی کا دھیان فوراً چندا کی طرف گیا تھا کیونکہ بوبی اور چندا بس یہی تو اس کی دنیا تھی اب۔

"کون ہے ایسا؟" اپنے اندازے کی تصدیق چاہنے کے لیے اس نے بوبی سے پوچھا کیونکہ چندا کے متعلق سب کچھ اس سے شیئر کرتا رہتا تھا۔

"ماں......" بوبی نے دھیرے سے رگ دپے میں سکون بخشنے والے اس رشتے کا نام ادا کیا۔

ایک ایسا لفظ جسے سنتے ہی جانی کی شریانوں میں دوڑنے والے خون نے ایک دم جوش مارا' جس کی محبت بھری صرف ایک نظر کو وہ ترستا رہتا تھا' وہ اب اس کے لیے تڑپ رہی ہے یہ کیسے ہوسکتا تھا اور اگر ایسا ہے بھی تو بوبی کو کیسے معلوم۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو بوبی؟"

"سو فیصد سچ کہہ رہا ہوں یار! تیری ماں کی نظریں آج بھی ہر پل صرف تیرے انتظار میں چوکھٹ کا طواف کرتی رہتی ہیں۔"

"ماں اور میرے لیے؟" جانی سے مزید کوئی بھی سوال نہ ہوسکا تھا' سو یونہی بالوں میں انگلیاں پھنسائے اضطرابی کیفیت میں تیزی سے باہر نکل آ گیا۔

❀......❀......❀

مقامی امام مسجد کے دیئے گئے تعویزوں اور کیے گئے دم درود سے تاجی کی حالت میں تبدریج بہتری آتی جارہی تھی' بوبی بلاناغہ وقتِ مقررہ پر انہیں اپنے ساتھ لاتا وہ قرآن کریم کھول کر بہ آوازِ بلند چند سورۃ مبارکہ کی تلاوت کرتے تو ان حروف کے ذریعے تاجی کو اپنے دل میں لگی آگ پر پھوار سی برستی محسوس ہوتی۔ یوں لگتا جیسے برسوں سے تپتی جھلستی ریت پر مینہ برس رہا ہو اور ریت بھی ایسی کہ سیراب ہو ہی نہ پاتی کہ تاجی کا تو یہ حال تھا کہ اس کا دل چاہتا بس امام صاحب اس کلام شیریں کو پڑھتے رہیں اور وہ چپ چاپ بیٹھی بس سنتی ہی چلی جائے۔

یوں بھی اس پر کسی جن کا سایہ تو تھا نہیں ہاں البتہ ضمیر کی خلش اور پچھتاوے کی دہکتی آگ نے اس کے دماغ میں انگارے ضرور بھر دیئے تھے۔ رانی کے عمل دانستہ سے بس ایک ہی لمحہ میں تاجی کی ساری دنیا پلٹ گئی تھی اور پھر یہ بھی تو اس ذاتِ پاک کی خاص عنایت ہی تھی کہ اسے ہدایت ملی ورنہ تو ساری ساری عمر لوگ آلودہ زندگی گزار دیتے ہیں اور غافل اس قدر کہ انہیں گناہ کے گناہ ہونے کا بھی احساس تک نہیں ہوتا۔

خود ربّ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دل پتھر ہوجانے کے بارے میں پہلے ہی بتا رکھا ہے لیکن پھر انہی پتھروں سے نہریں جاری کرنا اور دلوں پر لگے گمراہی کے قفل توڑنا بھی بے شک اسی عالی مقام کا کمال ہے کہ بے شک وہی ہے جو دہکتی آگ کو گل وگلزار میں بدل دیتا ہے تو کبھی کروڑوں سالوں سے قائم بلند وچٹیل پہاڑوں سے چشم زدن میں اونٹنی یوں ظاہر کرتا ہے کہ عقل کا دنگ رہ جانا بھی بے حد معمولی سا جملہ محسوس ہوتا ہے۔ تاجی اب گو کہ پہلے کی طرح چیخ وپکار نہیں کرتی تھی نہ ہی دیوانہ وار مسجدوں کی طرف لپکتے ہوئے آہ وبکا اور معاف کردینے کی فریاد کرتی لیکن ہنوز ایک چپ تھی جو اس کے سیاہی مائل ہونٹوں پر بکل مارے ہوئی تھی۔

حسب معمول امام صاحب کو واپس مسجد میں چھوڑ کر آنے کے بعد بوبی آیا تو پینو ماں کے سرہانے بیٹھی تھی' اسی جگہ پر آج تاجی لیٹی ہوئی تھی جہاں کبھی اس کی ماں آرام کیا کرتی تھی۔ ماں کی یاد آئی تو ایک ہوک سے بوبی کے دل میں گھٹن محسوس ہونے لگی' تاجی میں اسے اپنی ماں کی روح محسوس ہونے لگی تھی' بے اختیار چلتا ہوا وہ تاجی کے قریب آیا اور تاجی کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گیا لیکن تب اسی لمحے اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ ماں سب کی سانجھی ہوتی ہے اور اگر اس کی ماں دنیا میں نہیں بھی رہی تو کیا جانی کی ماں تو ہے ناں اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے تاجی کو اپنی ماں کا

درجہ دے ڈالا تھا۔

پینو اسے یوں خاموش کھڑے ناجی کے چہرے کو دیکھے جانے پر کبھی اسے دیکھتی اور کبھی ناجی کو۔ اسی دوران بوبی کو بھی اس کا یوں حیرت سے دیکھنا محسوس ہوا تو احساسات کو نارمل کرتے ہوئے جیب سے ایک سفید کاغذ تہہ کیا ہوا اس کی طرف بڑھایا جو اسے یہاں کھڑا دیکھ کر اچھی طرح سر پر دوپٹہ جما رہی تھی۔

''لیکن یہ ہے کیا؟'' پینو نے الٹ پلٹ کر وہ سفید کاغذ دیکھا۔

''امام صاحب نے چند آیتیں لکھ کر دی ہیں جو پانی پر پھونک کر اماں کو دینی ہیں۔'' ناجی کے پاؤں کی طرف طرح بیٹھتے ہوئے وہ بولا مگر ایک بار پھر پینو الجھ کر رہ گئی۔

''لیکن...... وہ......'' بوبی کی سوالیہ نظریں پینو کے چہرے پر مرکوز ہوئیں۔

''وہ......'' پینو نے انگلیاں مروڑتے ہوئے نظریں چرائیں۔ ''مجھے تو قرآن شریف پڑھنا نہیں آتا' کسی نے کبھی سکھایا ہی نہیں۔''

اس کے یوں بے چارگی سے کہنے پر بوبی کو ایک بار پھر اپنی ماں کی یاد آئی جس نے بڑے جذبے اور لگن سے نہ صرف ان دونوں بہن بھائیوں کو کم عمری میں قرآن پاک مکمل پڑھا دیا تھا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم بڑے شوق سے دیا کرتیں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ خود انہیں قرآن پاک کی تعلیم دے لیکن وہ اتنی اتنی دیر گھر میں رہ کر محلے والوں کو کسی بھی قسم کی باتیں کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جبھی وہ بہت کم دورانیے کے لیے ان کے پاس آیا کرتا تھا سو اس مقصد کے لیے اس نے محلے میں ہی موجودہ زبیدہ خالہ سے درخواست کی تو وہ بڑی خوشی سے اس کارِ خیر کے لیے رضامند ہوگئیں اور رانی اور پینو دونوں روزانہ ہی رحمت وہدایت کے اس سمندر سے چند قطرے لے کر اپنی روح کو سیراب کرنے لگیں کہ دنیاوی طور پر تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بوبی کی صورت میں جو غیبی امداد بھیجی تھی اس کے لیے وہ جتنا بھی شکر ادا کرتیں کم معلوم ہوتا۔

صاف ستھرے کپڑے' چھوٹا سا کچا پکا گھر اور سب سے بڑھ کر عزت کی زندگی۔ یہی سب کچھ تو پینو کا خواب تھا جو بوبی کے وسیلے سے حقیقت میں ڈھل گیا تھا اور یوں بھی بوبی کے علاوہ اس بھری دنیا میں اور کوئی ہمدرد تھا بھی تو نہیں جبھی آنکھیں بند کرنے پر ہمیشہ ہی پینو کو بوبی کا پرخلوص چہرہ نظر آتا تو وہ دل میں آئی ساری باتیں اسے کہہ کر خود پر سکون ہو جاتی۔

❁......❁......❁

''ماں اور میرے لیے دعائیں......؟'' یہ آخر بوبی نے آج کیسی بات کردی تھی۔ جانی نے موٹر سائیکل کی اسپیڈ مزید تیز کرتے ہوئے خود سے سوال کیا لیکن جواب میں لامحدود حیرت کے سوا کوئی احساس کوئی تاثر نظر نہیں آیا۔

وہ تو خود جانے کب سے ماں کی آغوش کے لیے تڑپ رہا تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اب تک اسی پیشے سے وابستہ ہوگی جس کی بناء اسے گھر سے نکالا اور تب سے خود جانی کا گھر سے ایسا دل اُچاٹ ہوا کہ دوبارہ وہاں جانے کی خواہش بھی نہ ہوئی۔

کراچی جیسے شہر میں موٹر سائیکل پر سڑکوں کو روندتے اکثر وہ فٹ پاتھ پر کھڑی ان لڑکیوں کو غور سے دیکھا کرتا جو سڑک کنارے ہی تمام بھاؤ تاؤ کر کے وقتِ مقررہ پر مال لے جانے کی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے ایڈوانس تھامتی نظر آتیں۔ جانے کیوں لیکن ان کے ساتھ موجود ادھیڑ عمر عورت میں جانی کو ناجی اور جوان لڑکیوں میں پینو کا چہرہ گڈمڈ ہوتا محسوس ہوتا تو نفرت کی شدت کا اظہار ہمیشہ ہی ایکسلیٹر پر دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ یہی کچھ سوچتے سوچتے اسے احساس تک نہ ہوا کہ کب اس نے موٹر سائیکل بستی کی طرف جاتے رستوں کی طرف موڑی اور کیسے وہ بستی کے اندر داخل ہوتا گیا۔ حواس بحال ہوئے تو اسی مانوس سے ماحول کو دیکھ کر دل کا دھڑکنا بہت عجیب رخ اختیار کرتا گیا۔

سب لوگ وہی تھے اور ویسے ہی تھے' ننگ دھڑنگ بچے' مٹی اڑاتی زمین' شکستہ در و دیوار اور ان پر بال

کھولے بین کرتی انتہائی غربت۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا سوائے اس کے۔

موٹر سائیکل بستی کے آغاز میں ہی لاک کرکے وہ اندر گیا اور اپنے گھر پہنچ کر حیران رہ گیا کہ وہاں تو ان کے گھر کا کوئی بھی فرد موجود نہیں تھا اور اردگرد موجود لوگ جو یقیناً اسے قطعی طور پر پہچان نہیں پائے تھے اس بابو کو اپنے درمیان پاکراس سے زیادہ حیران تھے۔

''یہاں کہیں شوکے کا گھر ہوتا تھا' ناجی اور جانی وغیرہ۔'' وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید انہوں نے گھر بدل ڈالا ہے کیونکہ ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے پار جانی کو کوئی بھی جانی پہچانی چیز نظر نہیں آرہی تھی جبھی سب کا نام لے کر پوچھا تو رانجھن نے پہلے تو ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی پھر بولا۔

''بابو کب کی بات کررہے ہو؟ شوکا تو اپنے دو چھوٹے بیٹوں کے ساتھ عرس پر گیا تھا وہیں تینوں خدا کو پیارے ہوئے۔ جانی تو پہلے ہی کہیں گھر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور ناجی...... وہ بے چاری تو پاگل ہوگئی تھی' ایک دن چاروں ماں بیٹیاں گھر سے نکلی تو تھیں مگر آج تک واپس نہیں آئیں۔'' رانجھن نے مکمل معلومات دی تھیں۔

یہ سب سن کر جانی کو اپنے ہاتھ پاؤں سرد ہوتے محسوس ہوئے تھے گو کہ اتنا سارا عرصہ وہ ان سے ملا نہیں تھا لیکن ایک ہونے کا احساس ضرور تھا اور یہی احساس اکثر پینو اور دوسری چھوٹی بہنوں کی یاد آنے پر اسے سنبھالے رکھتا مگر آج تو وہ احساس ہی نہ رہا تھا ان کے ہونے کی کیفیت باسی پھول کی طرح مرجھا گئی تھی اور اس انوکھی موت پر جانی جی بھر کے رونا چاہتا تھا جبھی پہلے پہل تو دل چاہا کہ فوراً سے پہلے چندا کے پاس پہنچ جائے اور جی بھر کے اپنا دل ہلکا کرے لیکن مرد ہوکر اس کمزور لمحے میں ایک عورت کا سہارا لینا اس نے گوارا نہ کیا تھا۔

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے نہ روئے گا تو مرجائے گا

نہ باپ رہا نہ بھائی' ماں اور بہنیں نجانے اس وقت کس حال میں ہوں گی' یہ سوچ اسے کند چھری سے ذبح کرنے کے برابر تکلیف دے رہی تھی' موٹر سائیکل پر بیٹھ کر یونہی یہاں وہاں دوڑانے کے بعد آخر وہ ایک پیڑ تلے آبیٹھا تھا۔ دکھ سے گو کہ سینہ پھٹ رہا تھا لیکن یوں تنہائی میں آنسو بہانے سے اب اسے اپنا آپ کچھ ہلکا ہوتا محسوس ہوا تھا اردگرد علاقہ چونکہ سنسان تھا اور یوں مغرب کے بعد تو ویسے بھی وہاں آمدورفت اتنی نہ تھی اس لیے بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے کھل کے رویا تھا۔ اکا دکا گزرنے والی گاڑیوں نے اسے دیکھ کر تعجب کا اظہار تو کیا مگر بغیر مداخلت کیے گزر گئے یوں بھی آج کل بھلا کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ کسی روتے ہوئے انسان کی لیے اپنی مصروفیات ترک کرے۔

شہر میں روشنیاں جگمگانے لگی تھیں لیکن اس کے اندر اندھیرا اپنے گاڑ رہا تھا اور اب جب کہ وہ رو لینے کے بعد کچھ بہتر حالت میں تھا تو خیال آیا کہ بوبی یقیناً ان کے بارے میں جانتا ہوگا اسی لیے اس نے یہ بات چھیڑی فوراً جیب سے موبائل نکال کر اس کا نمبر ملایا لیکن نیٹ ورک میں پرابلم تھی یا نمبر بزی۔ بات نہیں ہو پائی تو کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور سیدھا چندا کے پاس جا پہنچا اور دستک دینے کے بعد اندر داخل ہوا تو وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی سی چٹیا میں بیلے کی کلیاں سجائے کانوں میں بھی بیلے کی کلیاں ڈال رہی تھی۔ اسے دیکھا تو ہمیشہ کی طرح کھل سی گئی لیکن جانی کی طرف سے سابقہ گرم جوشی نظر نہ آنے پر چونکی تو ضرور مگر کریدنے کے بجائے بندو سے کہہ کر چائے منگوائی اور اس سے کسی بھی قسم کے سوالات کرنے سے گریز برتا جبکہ جانی بھی بغیر کچھ کہے ایک طرف رکھی بید کی کرسی پر ڈھے سا گیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد بندو چائے پہنچا کر واپس لوٹا تو چندا نے بھاپ اڑاتا کپ اس کی جانب بڑھایا لیکن جیسے ہی کپ تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو چندا کی مخروطی انگلیوں سے ٹکرایا تو جیسے وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا' چندا نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور اپنا کپ اٹھا کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

وہ جانی کو مکمل وقت دینا چاہتی تھی تاکہ اگر وہ چاہے تو خود اپنی پرابلم شیئر کرے اسی لیے پوری توجہ جانی کے بجائے چائے کے کپ کی طرف مبذول رکھی۔ کتنے ہی لمحے محض خاموشی میں بیت گئے اور پھر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے جب اس نے چندا کے سامنے سب کچھ دہرایا تو باوجود ضبط کے آنکھوں میں اترتی نمی کو مخفی نہ رکھ پایا۔ بے دلی سے جانی نے کپ واپس چندا کی طرف بڑھایا تو اس نے اپنا کپ بھی چھوڑ دیا اور میز پر رکھنے کے بعد بولی۔

''ابا اور بھائیوں کا صدمہ تو اپنی جگہ لیکن شکر کرو کہ تمہارے لیے دعا کرنے والے ہاتھ اب تک سلامت ہیں اور اس سے بڑھ کر مطمئن رہو اس بات پر کہ اگر بولی ان کے بارے میں جانتا ہے تو یقیناً تمہارے حوالے سے وہ ان کی بہت بہتر دیکھ بھال بھی کررہا ہوگا۔'' جانی کا غم اسے اپنے سینے میں پناہ لیتا محسوس ہوا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن......''

''مثبت انداز میں سوچو کہ اگر ان کے ساتھ ساتھ اماں اور پینو وغیرہ کو بھی کچھ ہوجاتا تو بھلا تم کیا کرلیتے، جن کا تم بھی نام لینا اور سننا نہیں چاہتے تھے آج ان کا نام پکار پکار کر رو رہے ہو۔ وہ جو دنیا سے جاچکے ان کے لیے تمہارا رونا کسی کام کا نہیں مگر جو اس دنیا میں موجود ہیں ان کے سامنے اپنی ماں کے سامنے جاکر آنسو بہاؤ تو تمہارے دل کو بھی کچھ سکون ملے۔'' چندا نے جانی کو تصویر کا بڑا مختلف رخ دکھایا تھا سو وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

یوں بھی یہ احساس کہ چندا اس کے دکھ میں دکھی ہے اور اسے سمجھاتے ہوئے اس دکھ بھری کیفیت سے باہر نکالنا چاہتی ہے جانی کے لیے زخموں پر مرہم ثابت ہورہا تھا۔ یہ احساس کہ کوئی آپ کے غم میں آپ کی خاطر غمگین ہے اور یہ غم دور کرنا چاہتا ہے انسان کا دکھ کئی گنا کم کردیتا ہے۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اکثر اوقات زندگی میں ہم جنہیں ملنا تو درکنار دیکھنا اور ان کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے انہی کی موت پر دھاڑیں مار مار کر یوں روتے ہیں کہ در و دیوار ہل جائیں اور کلیجہ منہ کو آنے لگے بھلا زندگی میں جنہیں دیکھ کر منہ موڑ لیا جاتا ہے ان کا آخری دیدار کرنے کی کوشش کیوں؟ مرنے کے بعد ان کی قبروں پر تازہ پھولوں کی نرم پتیاں نچھاور کرنا کہاں کی محبت ہے؟ کوئی آپ کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش میں دنیا سے چلا جائے تو آپ اس کے مرنے کے بعد اسے ایک نظر دیکھ لینے کو پہنچ جائیں' یہ کہاں کا دستور ہے؟ اس لیے ہونا تو یہ چاہیے کہ بندہ زندہ لوگوں کی قدر کرے نہ معلوم کس وقت' وقت انہیں زمین کے اوپر چلتے چلتے زمین کے نیچے سلادے۔'' اپنا دکھ بھول کر جانی اس کی باتوں میں مگن ہوگیا تھا جس کے اوپری ہونٹ کے اوپر ابھرتے ہوئے پسینے کے ننھے ننھے قطرے اسے مزید تروتازہ اور شاداب بنارہے تھے۔ ایک ایک لفظ جانی کو اپنے افسردہ دل پر دستک دیتا محسوس ہوا تھا بظاہر مسکراتے ہوئے ہمیشہ جانی سے بات کرنے والی چندا اسی لیے شاید کبھی بھی اپنے چہرے کے تاثرات اور لفظوں کے درمیان ہوتی جنگ جیت نہیں پائی تھی لیکن آج جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس کا چہرہ اور آنکھیں بھی سو فیصد اس کی حمایت میں نظر آتی تھیں۔

''اب مجھے ہی دیکھ لیں یا میری جیسی دوسری تمام لڑکیاں جو ان رنگین گلیوں میں زندگی گزارتی ہیں، ہم سب اسی دن مرجاتی ہیں جس دن آنٹی جیسی عورتیں پہلی دفعہ کسی کے بھی سامنے نیلام کرنے کی نیت سے پیش کرتی ہیں لیکن جس طرح پھول ٹوٹنے کے بعد بھی بہت دیر تک تروتازہ رہتے ہیں اور کسی کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ مرچکے ہیں اور پھول فروش اس پر پانی کا چھڑکاؤ کرکے رنگ برنگی پیکنگ میں گاہکوں کے سامنے ان کے دام لگاتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی تروتازہ رکھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ دام لگوائے جاتے ہیں یہ جاننے کے باوجود کہ آنے والا ہر شخص ہمیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرکے پھینک دے گا۔'' اپنے آپ پر استہزائیہ انداز میں طنز کرتے ہوئے اس نے گالوں کو چومتی بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے کیا۔

''تم اگر اب تک اس ماحول کی عادی نہیں ہوپائیں تو اس کا مطلب ہے تم یقینی طور پر کہیں اور سے آئی یا لائی گئی

ہو؟" چندا کو یوں جذباتی ہوتا دیکھ کر جانی نے بھی وہ سوال کر ڈالا جس کا جواب جاننے کو وہ خود بڑا بے چین تھا۔

"اماں ابا کے ساتھ رہتی تھی میں لیکن میرا ابا ذرا ذرا سی بات پر اماں کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتا' تو مجھے دنیا بھر میں سب سے قابلِ نفرت انسان وہی لگتا جو ہر وقت کاموں میں جتی اور ایک ایک پیسہ بچانے والی میری فرشتہ صفت ماں پر ہاتھ اٹھاتا حالانکہ اماں کھانے کے وقت سب سے بہترین حصہ ابا کے لیے نکالتی پھر ہم سب کو دیتی اور سب سے آخر میں خود کھاتی۔ میری طرف سے ابا کے لیے اظہار نفرت کے جواب میں ہمیشہ مجھے سمجھاتی' ابا کی طرف داری کرتی اور خود راتوں کو رو رو کر تکیے بھگویا کرتی مگر ہونٹوں سے کبھی اُف نہ کرتی اور پھر ابا فوت ہو گیا۔" شفق کا منظر چندا کی آنکھوں میں بجھ گیا تھا اور اس آخری روشنی میں جانی نے چندا کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھا مگر خاموش رہ کر اسے بات مکمل کرنے کا بھرپور موقع دیا۔

"اماں نے ہم جوان بہنوں کی خاطر دنیا والوں کی نظر میں بے آسرا ہونے سے بچنے اور ہمیں ایک مضبوط سائبان مہیا کرنے کی خواہش میں دوسری شادی کر لی تو میں چپکے چپکے اپنے مرے ہوئے ابا کے لیے رونے لگی' ایک ایک بات پر وہ اس قدر یاد آتا کہ سینے کے اندر سانس پھنس جاتی۔ اماں اب بھی ہمارے سامنے تو کچھ نہ کہتی لیکن اب اس کے تکیے کے ساتھ ساتھ دوپٹوں کے کونے بھی بھیگے رہنے لگے اور آنکھیں سرخ ہونے لگی۔ جب ابا مر گیا تو مجھے اس کی بڑی قدر محسوس ہوئی' دل چاہتا اسے قبر سے نکال لاؤں' وہ کام سے آئے تو اس کے پاؤں دھلاؤں' تھک جائے تو کندھے دباؤں' گرم گرم روٹیاں بنا کر دوں' اس کے سلوٹوں بھرے کپڑے استری کروں۔" لمحہ بھر رک کر اس نے اپنے آنسو پیچھے دھکیلے تو اس کی ننھی سی ناک سرخ ہو گئی۔

"جیسے تیسے وہ کما کر لاتا تھا تو جتاتا تو نہیں تھا ناں' اپنا جو تھا۔ ہماری ذمہ داریاں پوری کر کے فخر محسوس کرتا تھا اور اب ہمیں ایک ایک چیز کے لیے ترسنا پڑتا۔ نئے ابا کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا' چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے بھی وہ اتنی نکتہ چینی کرتا کہ دل چاہتا مر جاؤں تا کہ کم از کم میری وجہ سے اماں کو اس سے کوئی چیز مانگنا نہ پڑے اور تب پتا ہے میرے دل کا پہیہ الٹا چل پڑا پہلے اپنے ابا سے نفرت اور اماں سے پیار کرتی تھی مگر نئے ابا کے بعد اپنی اماں پر بات بے بات غصہ آتا اور ابا کو بیٹھی یاد کرتی رہتی۔ مجھے لگتا بس میری کوئی ماں نہیں اگر ہوتی تو ہمارے سروں پر اس مرد کو مسلط نہ کرتی۔" اپنی نازک سی انگلی کی پور سے اس نے آنکھوں کی دہلیز پار کرتے آنسو کو بڑی سہولت سے اپنی جلد میں سمو لیا شاید اب وہ مزید رونا نہیں چاہتی تھی۔

"اور پھر میرے نئے ابا کے دل میں پڑھائی کی اہمیت اتنی جاگی کہ وہ مجھے داخل کروانے کے لیے فارم پر لگائی جانے والی تصویر کھنچوانے کے بہانے اس جگہ لا کر بیچ گیا تو اب میں اپنی ماں کے لیے روتی ہوں کہ وہ کس قدر مجبور ہے جسے نہ صرف اولاد کو مطمئن بلکہ شوہر کو بھی خوش رکھنا پڑتا ہے اور شوہر بھی ایسا جو مجھے تو یہاں بیچ کر روپے بٹور چکا' اب جانے گھر جا کر اماں کو کون سی کہانی سنا کر طعنے مارتا ہو گا اور میرے دوسرے بہن بھائی کس طرح رہ رہے ہوں گے' بس ایک پچھتاوں کی آگ ہے جو ہر وقت اندر ہی اندر مجھے جلا کر دل کو بھسم کیے رکھتی ہے۔ میں اپنے اماں ابا کو ان کے رتبے کے برابر نہ تو عزت دے سکی اور نہ ہی محبت۔ یہ احساس دل کو اس قدر زخمی کیے رکھتا ہے کہ دل چاہتا ہے بھیڑیوں کے اس جنگل میں ہر قدم پر مرنے کا خوف لے کر زندہ رہنے سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔ کم از کم میں کسی شیطان صفت انسان کے ہاتھوں کھلونا بننے سے تو بچ ہی جاؤں گی۔" اور بالآخر بہت ضبط کرنے کے باوجود وہ اب جو روئی تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آج آکھاں وارث شاہ نوں' کتوں قبراں وچوں بول
تے اج کتابِ عشق دا کوئی اگلا ورقہ پھول
اک روئی سی دھی پنجاب دی توں لکھ لکھ مارے وینٹر
اج لکھاں دھیاں روندیاں تینوں وارث شاہ نوں کینٹر

جانی کے چہرے پر اس کی ساری کہانی سننے کے بعد ایک پرشور قلزم تھا اور بس' چندا کے اس انتہائی قدم کے

بارے میں سن کر اس کے اعصاب سکتے میں آ گئے تھے۔ یہ آج کیسا عجیب سا دن طلوع ہوا تھا جو ختم ہونے کے بعد بھی کروٹیں لیتا محسوس ہو رہا تھا وہ جو اپنا دل ہلکا کرنے چندا کے پاس آیا تھا اس کی باتیں سن کر مزید بوجھل ہو گیا۔ جانی کو مثبت راہ دکھاتے دکھاتے وہ تو خود ہمت ہار بیٹھی تھی۔

کچھ دیر جبڑے بھینچے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوجے میں پھنسائے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور اس کا چہرہ اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے اوپر کرتے ہوئے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

''میرے ہوتے ہوئے تم ایسا کچھ کرنا تو الگ بات ہے سوچو گی بھی نہیں' سمجھیں؟'' چندا کی ہچکیاں اب تک جاری تھیں گو کہ ہاتھوں کی پشت سے وہ آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''تم اب صرف اور صرف میری ہو اور میں تمہیں یوں روتا ہوا کبھی نہیں دیکھنا چاہتا' نہ ابھی اور نہ ہی تمام عمر......'' چندا نے بے یقینی سے جانی کی طرف دیکھا۔

''آپ جانتے ہیں ناں کہ میں اب جس جگہ سے تعلق رکھتی ہوں وہاں کوئی بھی رفاقت ایک رات سے زیادہ طویل نہیں ہوتی۔''

''نہ ہوا کرے۔'' جانی نے اس کی بات کاٹی۔

''مجھے اس جگہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اگر تم میرا ساتھ دو تو میں کچھ کرنا چاہتا ہوں جو یہاں شاید کبھی نہ ہوا۔'' چندا کی سوالیہ نظریں اٹھیں تو جانی کے چہرے پر رقم سچائی اسے اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

''میں تمہیں یہاں سے کہیں دور لے جانا چاہتا ہوں چندا!'' جانی کے منہ سے الفاظ کے ادا ہونے کی دیر تھی' چندا نے فوراً اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر نفی میں گردن ہلائی تو جانی سمجھ گیا کہ یہاں کسی بھی قسم کی بات کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا سو اپنی بات کسی اور طریقے سے سمجھانے کے لیے اس نے تفصیلی بات اگلی ملاقات پر رکھی لیکن چندا کے یوں قریب آنے سے جو خوشبو محسوس ہوئی تو جانی کو خود اپنا آپ بھی معطر لگنے لگا۔ تازہ ہوا کے اس جھونکے کی طرح جو صبح سویرے چنبیلی اور موتیا کی نرم و ملائم کلیوں کا بوسہ لیتے ہوئے اتراتا پورے گلشن میں پھیلتا جاتا اور یہ مسحور کن خوشبو ہر ذی انسان کے ذہن کو تر و تازہ کر جاتی سو یہی حال جانی کا بھی ہوا مگر اسی دوران چندا کو بھی اس عمل بے خود کا احساس ہوا تو جانی کے منہ پر رکھا اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا اور وہ یوں پیچھے ہٹی کہ جیسے روٹی بناتے ہوئے گرم توے کو ہاتھ جا لگا ہو۔ جانی نے یوں اس کے ہاتھ ہٹانے کو بھی بڑی دلچسپی اور لگاوٹ سے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

آج جانی جب صبح اپنے فلیٹ کے اندر داخل ہوا تو خلاف توقع بوبی کو جاگتا ہوا دیکھ کر حیران رہ گیا اور کمرے میں جانے کے بعد اس کے سامنے والے صوفے پر نیم دراز ہو گیا تو بوبی نے ریموٹ سے ٹی وی بند کرتے ہوئے تفتیشی انداز میں اسے دیکھا۔

''خیر تو ہے' کہاں رہنے لگا ہے تو رات رات بھر؟''

''بتاتا ہوں' پہلے یہ بتا تو کیوں جاگ رہا ہے ابھی تک؟ خیر تو ہے ناں؟'' جانی نے جواب دینے کے بجائے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر انگلیوں سے کنپٹیاں سہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا جو ابھی تک اپنی نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا اور جانی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت جواب دینے کے موڈ میں نہیں۔

''پتا ہے میں آج بستی گیا تھا۔''

''اوہ اچھا...... پھر......'' بوبی ایکٹو ہو کر بیٹھ گیا تھا جس سے جانی کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ اسی لیے روکھا پھیکا انداز لیے بیٹھا تھا کہ اس نے اتنی بڑی خبر اس کے گھر والوں کے بارے میں دی' اسے احساس دلایا کہ اسے ان کی خیر خبر لینی چاہیے مگر اس کے باوجود جانی نے اس معاملے کو ہوا میں اڑا دیا اور اب جب اپنے اس خیال کی نفی ہوئی وہ اس میں دلچسپی لینے لگا اور بات بھی توجہ سے سننا شروع کی۔

''ابا اور دونوں بھائی تو اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن باقی سب کا کچھ پتا نہیں کہ کہاں ہیں' اب سوچ رہا ہوں کہ

انہیں کس طرح اور کہاں کہاں ڈھونڈوں؟"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" بوبی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا اور اس کے کندھا تھپکتے ہوئے دلاسہ دیا۔

"اگر میں تجھے بتاؤں کہ وہ لوگ کہاں ہیں تو پھر؟"

"تو پھر سے کیا مطلب یار! پھر تو فوراً میں ان کے پاس پہنچ جاؤں۔" جانی یوں جوش سے بولا تو بوبی نے بھٹے سے لے کر اب تک کی ساری کہانی من وعن بیان کردی۔

"تو میرے گھر والوں کے لیے اتنا کچھ کرتا رہا اور مجھے بتایا تک نہیں۔" تمام حالات جان کر جانی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"اول تو یہ کہ دن میں، میں گھر پر نہیں ہوتا تھا اور رات کو تو......اور پھر میں نہیں چاہتا تھا کہ تو اماں کو اس حالت میں دیکھ کر مزید پریشان ہوتا' آخر وہ میری بھی تو ماں ہیں ناں' یقین کران میں مجھے اپنی ماں کا روپ نظر آتا ہے یار!" بوبی کے لہجے میں ناجی کے لیے اس قدر پیار دیکھ کر وہ عجیب کشمکش کا شکار تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں اور ناجی میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن کچھ بھی کہنے میں اس کی ماں کی عزت اور خود اپنی انا آڑے آ تی تھی سو چپ رہا لیکن دل تھا کہ فوراً سے پہلے انہیں دیکھنے اور ملنے کو مچلنے لگا۔

"یار تُو کتنا بدقسمت ہے کہ اتنے پیارے رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان سے صرف اپنی ذاتی انا کی خاطر منہ موڑے رہا بھلا یہ تو سوچ کہ ماں باپ کے سامنے ہماری انا کی وہی اہمیت ہونی چاہیے جو ہماری سگریٹ کے سامنے اسی میں سے گرنے والی اس راکھ کی ہوتی ہے۔" ٹیبل پر موجود ایش ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بولا تو جانی نے سر جھکا لیا۔

"میں اتنا پتھر دل نہیں ہوں یار! جتنا تُو مجھے سمجھ رہا ہے اور پھر چھوڑ ان باتوں کو دہرانے کا کیا فائدہ' جو اَب گزر چکی ہیں۔"

"گزری ہوئی ترش باتیں اور تلخ رویے بس یونہی دل سے نہیں نکلتیں' انہیں بھلانے اور نظر انداز کرنے کے لیے محبت بھری توجہ اور پُرخلوص لفظوں کی ضرورت ہے اور یہ لفظ ہی ایسا مرہم ہے جو بڑے سے بڑا دکھ بھلا دیتے ہیں۔" اس نے اپنے تئیں اشاروں میں بڑا پُرخلوص مشورہ دے ڈالا' جانی اس کی بات کا مطلب مکمل طور پر سمجھ گیا تھا۔

"چل پھر اٹھ' باہر روشنی تو ہونا شروع ہو بھی گئی ہے' ان سے ملنے چلتے ہیں۔" اپنوں سے ملنے کا تصور ہی جانی کی آنکھوں میں جگنو چمکائے ہوئے تھا۔

"بس پھر تو دو منٹ رک' میں واش روم سے ہو کر آیا۔ ناشتا آج وہیں کریں گے۔" بڑے پُرجوش انداز میں جانی اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا ایک ہی جست میں اٹھا اور واش روم میں گھس گیا اور جب ایکسیلیٹر پر جانی کا پاؤں ہو تو بھلا فاصلہ طے کرنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔

پون گھنٹے میں وہ دونوں دروازے کے باہر موجود تھا اور دستک دے کر ابھی پیچھے ہٹے ہی تھے کہ اندر سے آتی پتلی سی معصوم آواز نے جانی کو چونکا دیا۔

"کون ہے؟"

"رانی میں ہوں بوبی!"

"ہاں تو دروازہ کھلا ہے ناں بھیا! اندر آجائیں۔" بڑے مصروف سے لہجے میں اپنائیت بھرا جواب آیا تو بوبی دروازہ کھول کر اندر بڑھ گیا۔ جانی نے بھی جھجکتے ہوئے اس کی تقلید میں قدم اندر کی طرف بڑھائے تو سامنے ہی ایک عجیب ناقابل یقین منظر اس کا منتظر تھا۔

رانی نیلی فراک پر سفید وی لگائے یقیناً اسکول کے لیے تیار ہو رہی تھی اور گڈی یونہی بلا مقصد اس کے آگے پیچھے گھومتی ہوئی شوق سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ کچن کا دروازہ چونکہ براہ راست صحن میں کھلتا تھا جبھی سرعت سے جھاڑو لگاتی پینو نے ایک نظر بوبی کو دیکھا اور نظریں ملنے پر گھبرا کر جھاڑو چھوڑا اور گلے میں جھولتے دوپٹے کو سر پر جمانے کے بعد بظاہر دوبارہ اپنے کام میں مگن ہوگئی یقیناً جب ہی بوبی کے پیچھے اندر داخل ہوتے جانی کو نہیں دیکھا تھا لیکن روشنیوں اور رنگوں کا جو منظر اس کے چہرے پر بوبی کو دیکھنے سے ابھرا تھا' وہ جانی نے ضرور دیکھا تھا۔

"کیا یہ سب حقیقت ہے یا کوئی خواب؟" جانی نے خود

سے سوال کیا۔

"کیا اس حد تک تبدیلی ممکن ہے؟" وہ اندر ہی اندر خود سے الجھ رہا تھا کہ ایک دم کچن سے جو ذرا دھیان ہٹایا تو صحن میں لگے امرود کے درخت تلے بچھی چارپائی پر بیٹھی ناجی کو دیکھ کر تو گویا ماہی بےآب کی طرح تڑپنے لگا۔

ریڑھی پر بال بکھرائے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہاتھ پھیلاتی ناجی اور چارپائی پر سر جھکا کر تسبیح کرتی ناجی میں کتنا واضح فرق تھا۔

"السلام علیکم اماں!" بوبی نے نزدیک جا کر ناجی کے سامنے تھوڑا سا جھکتے ہوئے اسے سلام کیا۔ جانی بھی اس کے عقب میں موجود تھا اور اس سے پہلے کہ سر اٹھا کر ناجی ہمیشہ کی طرح اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعاؤں کے ساتھ سلام کا جواب دیتی بوبی سے دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے جانی کو دیکھ کر سکتے میں آ گئی۔

کہاں وہ دبلا پتلا مریل سا جانی اور کہاں اب لمبا چوڑا کسرتی بدن والا جینز شرٹ میں ملبوس بابو بنا یہ نوجوان......

خود جانی کی حالت کچھ مختلف نہ تھی اللہ کے اس معجزے پر وہ حیران بھی تھا اور اس کا شکر گزار بھی، مرد ہونے کے باوجود وہ فوراً سے ناجی کے گلے لگ کر باقاعدہ آواز سے رو دیا تھا۔ ناجی کی حالت بھی کم و بیش ایسی ہی تھی اس کے بھی آنسو جانی کے بالوں میں جذب ہونے لگے تو پنو جو وہیں پر کوڑا ایک طرف کر کے بوبی کے لیے چائے بنانے کی غرض سے کچن میں چلی گئی تھی فوراً صحن میں بھاگی بھاگی آئی اور جانی کو اپنے سامنے یوں اچانک پا کر بےاختیار اس سے لپٹ گئی۔ حیرت اور خوشی سے آنسو بہاتی پنو کے ساتھ ہی رانی اور گڈی بھی موجود تھیں جو سب کے چہروں کو بس ٹکر ٹکر کر کے دیکھتی جا رہی تھیں اور خاص طور پر ناجی کو جانی کو یوں دیوانہ وار پیار کرتے دیکھ کر تو ان کے ننھے اذہان بھی کشمکش کا شکار تھے۔

گو کہ سبھی کی آنکھیں نم تھیں لیکن دلوں میں جو سکون اور طمانیت کا احساس تھا اس سے یہ ضرور لگتا تھا کہ یقیناً ان کی توبہ آسمانوں کو چھو چکی ہے۔

❋......❋......❋

جانی کے انتظار میں آج چندا کا دن کسی طور گزر ہی نہیں رہا تھا، آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے نظریں موبائل کی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں کہ بیل تو یوں بھی سائلنٹ پر تھی۔ دل کو آس تھی کہ جانے کس وقت جانی کی طرف سے کوئی پیغام ہی موصول ہو جائے۔

آبنوس کی لکڑی سے بنے وال کلاک میں انگریزی ہندسوں پر گھومتی میرون رنگ کی سوئی اسے ایک ایک سیکنڈ کے گزرنے کا احساس دلا رہی تھی اور آج اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اب جانی کے بغیر اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی لیکن آخر کرتی بھی تو کیا اور کہتی بھی تو کس سے؟ کہ جھروکوں کے پار چلتی ان روشنیوں کے ساتھ ہی اس کی روح بھی جل کر خاک اور راکھ میں بدل چکی تھی۔ جہاں زیادہ سے زیادہ رقم سے آڑھتی اتار کر اپنا من سیراب کرنا ایک پرانی ریت تھی۔ ایسے میں جانی جیسے انسان کا مل جانا چندا کے لیے ایک معجزے سے کم ہرگز نہیں تھا جس کی طرف سے ملنے والی عزت ہی اسے اپنے دل کی بنجر زمینوں پر پڑنے والی پہلی بارش کی طرح محسوس ہوئی تھی اور وہ گو کہ نئی اور خوشگوار زندگی کے لیے ابھی منتظر گھڑیاں گن رہی تھی لیکن جانی کی زندگی خزاں کے بعد آنے والے موسم بہار کی مانند خوشگوار ہو گئی تھی۔ رشتوں کی پرانی کونپلوں پر کھلتے محبت کے نئے پھول مکمل طور پر اپنے جوبن پر تھے اور پھولوں کی خوشی کشید کرنے کا موقع دیتے ہوئے بوبی جان بوجھ کر کچھ دیر کے لیے گھر سے باہر گیا تھا جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر وہ لوگ ایسی کوئی بات جو اس کے سامنے نہ کی جا سکتی ہو وہ آرام سے کر لیں اور ناجی تو یوں بھی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے نہ صرف بوبی بلکہ اس کی ماں کو بھی دعاؤں میں یاد کرتی کہ جس نے اس قدر اعلیٰ تربیت کرتے ہوئے اوروں کے لیے بھی کارآمد بنایا۔

واقعی یہ اعمال ہی تو ہیں جن کی وجہ سے کچھ لوگ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں میں شمار ہوتے ہیں اور کچھ مر کر بھی ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتے ہیں۔ بوبی کی والدہ کا

شمار ناجی آخر اللہ کر لوگوں میں کیا کرتی تھی۔ جانی ماں کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا دوپہر کے کھانے کا منتظر تھا' پینو باورچی خانے میں ہنڈیاں پکا رہی تھی اور ہنڈیوں کا سوچ سوچ کر جانی کی بھوک میں کئی گنا زیادہ اضافہ ہو رہا تھا لیکن اسی دوران ایک ایسا سوال جو صبح سے جانی کو بے چین کیے ہوئے تھا اور جس کی وجہ سے وہ اب بوبی سے بھی نظریں چرانے پر مجبور تھا اس کے لبوں پر آ ہی گیا۔

"اماں کیا تو نے...... میرا مطلب ہے کہ بوبی کو پہلے گزرنے والے تمام واقعات بتا دیئے ہیں؟" ماں تھی لیکن پھر بھی اس سے بات کرنے کے دوران جانی جھجک سا گیا تھا۔

"ہاں بوبی کو سب کچھ بتا دیا ہے۔" گہری سانس لے کر ناجی نے بات کر کے جانی کو چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"لیکن ان خطاؤں اور گناہوں کے جو ہم سے اور خاص طور سے مجھ سے ہوئیں۔" بات مکمل ہوئی تو جانی کے بھی اوسان بحال ہوئے اسی دوران پینو ہنڈی کے سالن اور گرم گرم روٹیوں کے ساتھ دہی پودینے کی چٹنی لے کر باورچی خانے سے نکلی اور ان دونوں کے درمیان رکھ دی' ناجی نے حزن و ملال کی کیفیت میں چارپائی کی پائنتی کے ساتھ ٹونٹی کے پانی سے بھری ہوئی بوتل اور اسٹیل کے دو گلاس رکھ کر واپس مڑتی پینو کی طرف دیکھا۔

"جن گناہوں سے خود اللہ کی ذات پردہ پوشی فرما دے تو پھر ہمیں بھی کوئی حق نہیں پہنچتا ناں کہ اسے دنیا والوں کے سامنے بیان کرتے پھریں۔" ناجی نیچی نظروں کے ساتھ اپنی دونوں ہتھیلیوں پر بکھرے لکیروں کے جال کی طرف متوجہ تھی پھر جانی کی بھوک کا خیال آیا تو اپنے ہاتھوں سے نوالہ بنانے لگی۔

"صرف پیٹ بھرنے کی کوشش میں میں حلال اور حرام کی تمیز بھول گئی تھی لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے ہمیں بوبی جیسے انسان نما فرشتہ سے ملوا دیا جس نے اللہ کے حکم سے یوں ہماری زندگی بدلی کہ اب بھی کبھی کبھار یہ سب ایک خواب لگتا ہے اس کی ماں کے بارے میں سب کچھ پتا چلا تو میں اور بھی شرمندہ ہوئی اور میں نے سوچا کہ واقعی حرام کھانے سے کہیں بہتر ہے ناں کہ بندہ بھوکا ہی رہے۔" اپنے ہاتھوں کا بنایا ہوا نوالہ اس نے جانی کے منہ میں ڈالا تو بچپن کی خواہش پوری ہونے پر فرط جذبات سے جانی نے اس کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ اس سے پہلے کہ ناجی اس کی آنکھوں کی نمی اپنی ہتھیلی کی پشت پر محسوس کرتی' موبائل پر ہوتی میسج کی بپ نے جانی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"خود... یہ مصروفیتوں کے خوش نما ساحل سے ایک نظر ان گمنام جزیروں پر بھی...... جہاں امید نا تمام اب بھی وقت کی مضبوط گرفت میں ہے۔"

جہاں بھی ہو چلے آؤ' تمہیں یادیں بلاتی ہیں
تمہارے ساتھ جو گزریں تھیں وہ شامیں بلاتی ہیں
یہ نہ سمجھو تمہارے بن کسی کا دل نہیں روتا
کسی کی آج بھی تم کو اداس آنکھیں بلاتی ہیں

اسکرین پر موجود دل میں اترتے یہ الفاظ پڑھ کر جانی کی روح تک شاد ہو گئی تھی' کیسا حسین دن تھا کہ ہر مراد بر آئی تھی اور یوں بھی چندا سے ملنے کے بعد سے اب تک یہ پہلا دن تھا کہ جب وہاں سے آنے کے اتنے گھنٹوں بعد تک بھی جانی نے اسے میسج نہیں کیا تھا سو اب چندا کی طرف سے میسج ملا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا اور سوچنے لگا کہ اب اسے بوبی کے ساتھ مل کر جلد ہی ایک حکمت عملی ترتیب دینی ہے جس سے ان کی زندگی ایک مثالی زندگی کا روپ دھار لے۔

❀ ❀ ❀

روپیہ پیسہ دنیا کی واحد ایسی چیز ہے جو زبان نہ ہونے کے باوجود بھی بولتا ہے اور ایسا بولتا ہے کہ پھر بڑوں بڑوں کی بولتی بند کروا دیتا ہے۔ جانی بھی آج کل آنٹی کے ساتھ پیسہ پھینک تماشہ دیکھ والا کھیل کھیل رہا تھا۔ روزانہ رات کو چندا سے ملنے جاتا تو آنٹی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لے جاتا جو کہ معاوضہ سے ہٹ کر صرف آنٹی کے لیے تحفہ گردانا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ لالچ کی ہزار ہا پرتوں میں چھپی آنٹی جانی کو اب ایسا با اعتماد گاہک سمجھ بیٹھی تھیں جو صرف چندا سے ملنے کی غرض سے اپنا سب کچھ وارنے پر بھی تیار تھا۔

آج بھی جانی آنٹی کی جھوٹی خوشامد اوران کی خوب صورتی کی جعلی تعریفیں کر کے چندا تک پہنچا تو کھلے بالوں کو سلجھا کر پیچھے کی طرف جھٹکا دیتی چندا اسے دیکھ کر خوشی سے کھل گئی اور ہیئر برش کے دندانوں پر حیرت سے پوریں پھیرتے ہوئے بولی۔

''آپ.....آج پھر......؟''

''سو فیصد میں اور آج پھر...... کیوں یقین نہیں آرہا کیا؟'' جانی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے شوخ نظروں سے مسکراتے ہوئے چندا سے سوال کیا جو چٹیا کرنے کے لیے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کرنے ہی لگی تھی کہ جانی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے بال کھلے رکھنے کا کہا تو وہ بھی مسکرادی۔

''میں تو سمجھی کہ بس جناب کے دل سے محبت کا خمار اتر گیا۔'' بات مکمل کرتے ہوئے جانی اس کے ذہن میں کیا آیا کہ بڑی ادا سے خود بخود ہنس دی۔ اس کے انگ انگ سے پھوٹتی خوشی جانی نے بخوبی محسوس کی تھی' نرم سا لہجہ اور دل کو چھوتی نرم آواز وہ فدا ہونے لگا تھا۔

''ہوں......یعنی اب ایک دن بھی میرے بغیر نہیں گزر سکتا۔'' جانی نے کھڑکیوں کے پردے گرادیئے تھے اور کمرے کا ماحول دودھیا روشنی میں بے حد دلنشین معلوم ہورہا تھا۔

''ظاہر ہے جب آپ آنکھوں میں ایسے خوب صورت خواب بسا جائیں گے تو سونا تو دور جاگتے ہوئے بھی ہر طرف آپ ہی آپ نظر آئیں گے ناں۔'' نظریں جھکا کر اس نے معصومیت سے اعتراف کیا تو جانی اس کے قریب چلا آیا اور اس خیال سے کہ کوئی اور سن نہ لے اس کے قریب ہوکر پہلے تو اس کا ہاتھ پکڑا اور کمرے کے دروازے سے آخری دیوار کے پاس کھڑے ہوکر سرگوشی کرنے کے لیے اپنا منہ اس کے کان میں پہنے گئے خوب صورت آویزے کے نزدیک کیا اور بولا۔

''میں نے اور بوبی نے چوری چکاری چھوڑ کر اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' جانی کی سانسیں اپنے بائیں رخسار پر محسوس کرتی چندا اس خبر پر چونکی اور فوراً رخ موڑ کر اس کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھتی ہو کہ ''اب میرا کیا بنے گا؟'' جھیل سی آنکھوں میں اپنی ذات کے متعلق کئی سوال ہلکورے لینے لگے تھے۔

''تمہیں کہا تو تھا کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان نہیں ہونا' اب تم میری ذمہ داری ہو۔'' ایک اور سرگوشی بہت قریب سے ابھری تھی' چندا ہلکا سا مسکرائی تو ضرور لیکن خدشات اور وسوسوں کے ساتھ۔

اسی دوران جانی نے اسے اپنی جیب سے ایک پرچہ نکال کر اسے پڑھنے کو دیا جس پر وہ بوبی سے سارا منصوبہ لکھوا لایا تھا۔ ہر قدم پر احتیاط کی ضرورت تھی جبھی بوبی کے مشورے سے یہ طریقہ اپنایا گیا تھا کہ جانی اگر لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا تو خیر چندا کو تو پڑھنا آتا ہی تھا اور سارا منصوبہ پڑھ لینے کے بعد خوشی سے چندا کی کاجل بھری آنکھیں بھیگنے لگی تھیں گو کہ یہ بہت بڑا رسک تھا لیکن باعزت زندگی گزارنے کی خواہش میں وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی یہ رسک لینے کو تیار تھی' جس کی ناکامی کی صورت میں یقیناً اس کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر کردی جاتی لیکن اس سب کے باوجود وہ یہ قدم ضرور اٹھانا چاہتی تھی تاکہ کل کو اس کے دل میں یہ کسک باقی نہ رہے کہ اس نے اپنی عزت بچانے کے لیے کوئی ٹھوس کوشش کی ہی نہیں۔

چھوٹی انگلی کی پور سے آنکھ کے کنارے کو ہلکا سا دباتے ہوئے چندا نے کاجل کو باہر نکلنے سے روکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن اس مرتبہ جانی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور ماحول کی نزاکت کے باعث اسے اس موضوع پر کچھ بھی کہنے سے منع کردیا اور جان بوجھ کر دوسری باتیں چھیڑ دیں' یہاں وہاں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے دوران جہاں اس کو جانی پر بے حد اعتماد اور بھروسہ محسوس ہورہا تھا وہیں ناکامی کی صورت میں پیش آنے والے ممکنہ حالات اس کے خون کو رگوں کے اندر منجمد کیے دے رہے تھے۔

میں تیری چھاؤں میں پروان چڑھوں

اپنی آنکھوں پر تیرے ہاتھ کا سایہ کر کے
تیرے ہمراہ میں
سورج کی تمازت دیکھوں
اس سے آگے نہیں سوچا دل نے
پھر بھی احوال یہ ہے
اک بھروسہ ہے کہ دل سبز کیے رکھتا ہے
اک دھڑکا ہے کہ خوں سرد کیے رکھتا ہے۔

❀......❀......❀

پینو بازار جانے کے لیے بڑی سی چادر اوڑھے کھڑی تھی جب بوبی حسب عادت دروازہ بجا کر اندر چلا آیا اور یوں بوبی کو اپنے سامنے دیکھ کر پینو کو اپنا دل سینے کے بجائے حلق میں دھڑکتا محسوس ہوا' چہرے کے تاثرات کو بوبی سے چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ خوامخواہ شاپرز کو کھولنے اور پھر بند کرنے لگی۔

''پینو......'' بوبی نے پاس آ کر پکارا تو چاروناچار اسے بوبی کے سامنے ہونا ہی پڑا۔

''جی......وہ......گھر پر تو کوئی ہے ہی نہیں۔'' وہ ہمیشہ ہی بوبی کے پکارنے پر یوں گھبرا سی جاتی تھی۔

''یعنی ہم دونوں کسی گنتی میں ہی نہیں ہیں۔'' ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا' جواباً پینو خاموش رہی۔

''کیا میری موجودگی کا احساس تمہارے لیے کافی نہیں ہے؟''

''نہیں......وہ میرا......مطلب تھا کہ وہ......'' یہ پہلا موقع تھا کہ وہ بوبی کے ساتھ گھر میں اکیلی تھی' اسی لیے منہ سے الفاظ بھی گھبراہٹ کے مارے نکلنا محال لگ رہے تھے۔

''تمہارا مطلب جو بھی ہو لیکن سنو' دوسرے شہر جا کر تو ہمارا اپنا الگ گھر ہوگا جس میں صرف اور صرف تم ہوگی اور میں بس......'' بات کی گہرائی میں جانے کے بجائے وہ ایکدم چونک کر بولی۔

''ہم دونوں بس......''

''ہاں تو اور کیا' پہلے تو ہم دونوں ہی ہوں گے ناں پھر آہستہ آہستہ مُنا' چنّا' ببلی' سونی وغیرہ وغیرہ بھی آتے جائیں گے۔''

## نبیلہ ریاض احمد شیخ

السلام علیکم! میرا نام نبیلہ ریاض ہے اور میں پنجاب کے ضلع قصور کے ایک گاؤں (میگہ) میں رہائش پذیر ہوں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور میں اپنی بڑی بہن ثوبیہ ریاض سے چھوٹی اور فائزہ ریاض سے بڑی ہوں۔ ہم بہنوں سے چھوٹے دو بھائی ہیں علی طاہر اور عادل ریاض اور میری والدہ محترمہ فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنے والدین سے ہے' بہن بھائیوں کو بھی پیار کرتی ہوں۔ میں سیکنڈ ائیر کی طالبہ ہوں اور دلی ارادہ ہے کہ میں تعلیم مکمل کروں اور ملک وقوم کی خدمت کروں۔ ویسے مجھے سہیلی بنانے کا شوق نہیں ہے لیکن زندگی گزارنے کے لیے میں نے اپنی ایک کلاس فیلو سعدیہ کو سہیلی بنایا ہوا ہے' وہ ہی میری بیسٹ فرینڈ ہے۔ اچھا جی میری پسندیدہ ڈش پلاؤ ہے' کلرز میں مجھے وائٹ اور بلیک پسند ہے' باقی جو مل جائیں پہن لیتی ہوں۔ کچھ نہ کچھ پڑھنے لکھنے کی عادت ہے' اس لیے پیپرز کے بعد بور ہو جاتی ہوں۔ اس لیے آنچل میں لکھنے کا سوچا ہے۔ مجھے فطرت بہت پسند ہے' اس لیے تتلی اور جگنو بہت اچھے لگتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی آنکھیں بہت پسند ہیں' میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی کیونکہ جھوٹ فساد کی جڑ ہوتا ہے جو انسان کو گناہوں کی وادی میں دھکیل دیتا ہے۔ ماں باپ کو بہت بڑی نعمت سمجھتی ہوں اس لیے اپنی کوئی بات ان سے نہیں چھپاتی۔ ناول ''محبت دل پہ دستک'' پسند ہے اس کے علاوہ میں شاعری بہت نوٹ کرتی ہوں اپنی ڈائری میں اور میوزک سننے کا بھی شوق ہے۔ اگر اپنی زندگی بنانی ہو تو دوسروں کی زندگی میں خوشیاں لانے کی کوشش کرو' اس اچھی بات کے ساتھ اجازت دیں' اللہ حافظ۔

بوبی کی یوں براہ راست بیان کردہ مستقبل کی منصوبہ بندی سے وہ لجا سی گئی تھی اور سانولے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑنے لگی تو پلکوں میں بھی لرزش محسوس ہوئی اور وہ جھک گئیں۔ اپنی یہ تمام کیفیت چھپانے کی کوشش میں اس نے اوڑھی گئی چادر کا ایک کونا پکڑ کر برے طریقے سے چہرہ ڈھانپ کر ایک طرف سیفٹی پنز لگا کر نقاب۔ کے نہ کھسکنے کی یقین دہانی کی اس سب کا ایک مقصد بوبی کی باتوں سے چہرے پر درآنے والی امنگوں کی پردہ پوشی بھی تھی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن......'' پینو نے نظریں چرائیں اور بات کرنے کے لیے مناسب لفظ ڈھونڈنے لگی۔

''بتاؤ پینو! بولو ناں' تمہیں میرے ساتھ پر کوئی اعتراض تو نہیں؟'' وہ اس کے منہ سے اقرار سننا چاہتا تھا' ان لفظوں کی لذت محسوس کرنا چاہتا تھا جن سے ہر جذبۂ امنگ کوئی زندگی دان ہوا کرتی تھی لیکن پینو اس کے برعکس سوچ رہی تھی۔ وہ اب تک ماضی میں سرزد ہونے والی غلطی کو بھول نہیں پائی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ بوبی جیسے مخلص اور سچے انسان کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی دھوکہ ہو' جبھی تو آج اس نے وہ سب کچھ کہہ ڈالنے کا ارادہ کیا جس کا بوجھ بصورتِ دیگر ساری عمر اس کے اعصاب پر رہتا۔ یوں آج موقع بھی اچھا تھا نانی' رانی اور گڈی کو ساتھ لے کر ان خاتون کے پاس الوداعی ملاقات کے لیے گئی ہوئی تھی جن سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا گیا تھا اور جن سے خود پینو نے بھی قرآن پاک پڑھا تھا جبکہ جانی پینو کے بازار جانے کے لیے ٹیکسی لینے گیا ہوا تھا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں' کچھ ایسا جو سننے کے بعد شاید نہیں بلکہ یقیناً آپ اپنا ارادہ بدل ڈالیں گے۔'' پینو کی بات کرنے کے اس انداز پر بوبی نے اپنی سوالیہ نظریں پینو کی آنکھوں پر مرکوز کردیں تو اس نے جھجکتے ہوئے وہ سب کہہ ڈالا جو وہ اب تک اپنے آپ سے بھی دوبارہ کہہ نہیں پائی تھی لیکن حیرت اسے تب ہوئی جب بات مکمل ہونے کے بعد بھی بوبی کی طرف سے کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا فطری طور پر اس نے نظریں اٹھا کر بوبی کو دیکھا اور غیر متوقع طور پر بے حد پرسکون پایا۔

''مجھے تم پر فخر ہے پینو کہ تم ایک اچھے اور سچے دل کی لڑکی ہو اور تم نے مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیا لیکن اگر میں یہ کہوں کہ میں نے یہ فیصلہ سب کچھ جاننے کے بعد ہی کیا تھا اور اب تمہارے منہ سے سب کچھ سننے کے بعد اس پر مزید ثابت قدم ہوں تو......''

''کیا......؟'' پینو پر تو گویا حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

''ہاں پینو! رانی مجھے سب کچھ خود ہی بتا چکی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آج کے بعد یہ باب مکمل طور پر بند ہوجائے یعنی نہ تم نے کچھ کہا اور نہ ہی میں نے سنا۔'' پینو کی آنکھوں سے رواں شکرانے کے آنسوؤں کو نقاب میں جذب ہوتا دیکھ کر بوبی نے مضبوط لہجے میں کہا تو اس کی نظروں میں جلتے محبت کے دیئے کی لو پینو نے نقاب کے باوجود اپنے رخساروں پر محسوس کی جبکہ کھلے دروازے سے اندر آتی نانی یہ چند جملے سن کر اللہ کی رحمت پر نہال ہوگئی۔

ایک توبہ ہی تو کی تھی اس نے اور اللہ اسے اس کے اعمال کے بجائے اپنی رحمت کے مطابق کس قدر نوازتا جارہا تھا۔ ربِ تعالیٰ کی طرف اس کا اٹھنے والا اخلاصِ نیت سے صرف ایک قدم ہی تو تھا جس کے جواب میں خالقِ کائنات اس کی طرف دس قدم بڑھا رہا تھا' وہیں دروازے سے ہی سامنے دونوں کی طرف جانے کے بجائے وہ دو قدم پر موجود غسل خانے میں وضو کرنے کی نیت سے داخل ہوگئی کہ یہ شہر چھوڑنے اور نئی زندگی کا آغاز کرنے سے پہلے وہ مالک کے حضور نوافل ادا کرکے تشکر آمیز انداز میں اس کی بڑائی' رحمت اور کرم کے سامنے اپنی کم مائیگی' بے وقتی اور عاجزی کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔

❀......❀......❀

آنٹی کے وسیع ہال میں آج کچھ بڑے لوگوں کی آمد کا اعلان کیا گیا تھا ان کو متاثر کرنے اور آئندہ بھی یہیں آنے کا لالچ دینے کی کوشش کرتی آنٹی انتظامات میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی اور کمی نہیں چاہتی تھیں۔ بھی کچھ اپنی نگرانی میں

کروارہی تھیں ضیافت کا بھی اعلیٰ انتظام تھا اور رقص وسرور کا بھی۔ اس قدر مصروفیت کے باعث آنٹی نے چندا اور دوسری دونوں لڑکیوں کو گٹو کے ساتھ بیوٹی پارلر بھیجا تھا۔

عام دنوں میں پارلر والی خود ان کے پاس آیا کرتی تھی لیکن یہ پروگرام چونکہ اچانک بنا تھا اس لیے اس کی پہلے سے طے شدہ اپوائنٹمنٹس کی وجہ سے اس کا آنا ممکن نہ رہا تو آنٹی نے ڈرائیور کے ساتھ ان تینوں کو بھیج دیا اور حفظِ ماتقدم کے طور پر بارہ تیرہ سالہ گٹو بھی ہمراہ کردیا جو پارلر کے اندر ان کی حرکات وسکنات کے بارے میں انہیں بتاتا۔

پارلر میں ابھی داخل ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی اور وہ تینوں کولڈرنکس سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی فلمی جریدہ دیکھ رہی تھیں کہ دو کرسیاں خالی ہوئیں اور چندا نے بڑی فراخ دلی سے باقی دونوں کو پہلے ٹریٹمنٹ کروانے کی آفر کرتے ہوئے اپنی کولڈرنک کی طرف اشارہ کیا جو ابھی تقریباً فل تھی جبکہ وہ دونوں پی چکی تھیں۔

پیشہ وارانہ ہاتھ بڑی تیزی سے حسن کو نکھارنے کے عمل میں مصروف تھے کہ پینو اندر داخل ہوئی اور چندا کو جانی کی بتائی گئی نشانی کے مطابق اچانک دیکھنے کی اداکاری کرتے ہوئے بڑے تپاک اور خوشدلی سے یوں ملی جیسے بچپن کی دو سہیلیاں اتفاقاً ملی ہوں۔

"اتنے عرصے بعد ملی ہو' چلو کہیں آرام سے بیٹھ کر ایک دوسرے کا حال چال تو پوچھیں۔" ہاتھ میں پکڑے شاپرز پینو نے لمحہ بھر کے لیے پارلر کے صوفے پر رکھے اور پھر چندا کے ہاتھ تھام لیے تو چندا مسکرادی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں ناں اور پھر......" چندا نے کن اکھیوں سے گٹو کو دیکھا جو ایک نظر ان پر ڈال کر دوبارہ پوری توجہ سے ٹی وی ٹرالی میں رکھے فلیٹ اسکرین کے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا جہاں کوئی انڈین فلم چل رہی تھی اور کیبل والوں کی مہربانی سے فحاشی سے بھرپور مناظر گھر گھر پہنچ رہے تھے تو بھلا گٹو کیونکر مفت کے جلوؤں سے محروم رہتا۔

"کوئی بہانہ نہیں چلے گا' اچھا چلو چاٹ ہی کھالیں پھر پتا نہیں دوبارہ کبھی ملیں گے بھی کہ نہیں؟" پینو نے بے انتہا اپنائیت کا مظاہرہ کرکے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"اچھا تو چلو ٹھیک ہے۔" چندا نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"چل گٹو! ساتھ کی دکان سے چاٹ کھالیں۔" چندا نے نقاب کرتے ہوئے کہا تو گٹو نے صاف انکار کردیا کہ جو ہیجان خیز غذا اسے انڈین فلمیں کھلا رہی تھیں وہ اس کا ایک لمحہ بھی چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔

"ایک دکان چھوڑ کر تو ہے' تم کھا کر آجاؤ میں تو ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" وقتی طور پر اس نے آنٹی کی دی گئی تمام ہدایات کو یکسر فراموش کرتے ہوئے کہا تو چندا نے اپنے ساتھ آئی دونوں لڑکیوں کو دیکھا جو کانوں پر ہیڈ فون لگائے اپنے پسندیدہ میوزک سننے کے ساتھ ساتھ آنکھیں بند کرکے مساج کروارہی تھیں لیکن اس سب کے باوجود چندا نے ظاہراً ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"باجی' تم ہی میرے ساتھ کردو ناں کسی کو' اکیلے جانے کا سن کر آنٹی بہت غصہ کریں گی۔" وہ عورت آنٹی کی بہت اچھی جاننے والی تھی اور اسی وجہ سے بڑے اعتبار کے ساتھ آنٹی اور ان کے پاس موجود تمام لڑکیاں کبھی کبھار یہاں آتیں ورنہ یہ خود اپنی ہیلپرز کے ساتھ وہیں جاکر ساری ٹریٹمنٹ کرآیا کرتیں لیکن آج کل شادیوں کے سیزن کی وجہ سے اس کی بھی مصروفیت تھی اور کچھ یہ محفل بغیر کسی پیشگی اطلاع کے منعقد کی جارہی تھی اسی لیے آنٹی نے گٹو کو ساتھ بھیج دیا تھا۔

"چندا دو لڑکیاں تو آج آئی ہی نہیں ہیں' صائمہ اور حنا کو دلہن تیار کرنے بھیجا ہے اور یہ تینوں ان کا کام نبٹا رہی ہیں۔" باجی نے دائیں طرف لگی رو میں کرسیوں پر موجود دو لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا جن میں سے ایک مایوں کی دلہن تھی اور آنکھوں میں نئی زندگی کے خواب سجائے شام میں ہونے والی تقریب کے لیے لائٹ سا ٹریٹمنٹ لے رہی تھی۔

اسے دیکھ کر خود چندا کے دل میں بھی کتنے ہی ارمان اور خواہشات بیدار ہوگئے تھے' نت نئی امنگیں سر اٹھانے لگی تھیں اور تصور میں جانی کا گمبھیر لہجہ پھر سے سماعتوں میں رس

گھولنے لگا۔ بائیں رخسار پر اس لمحے پھر سے جانی کی سانسیں محسوس ہوئیں تو وہ زیرلب مسکرادی کہ اب تو اس نے اپنی قسمت کی کشتی جانی کے ہاتھ تھمادی تھی۔ اب ڈوبے یا ابھرے...... یہ اس نے اللہ پر چھوڑ رکھا تھا۔

''تم ایسا کرو اگر ضرور جانا ہی ہے تو یہ ایک دکان چھوڑ کر تو ہے' جلدی سے کھا کر آ جاؤ' آنٹی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور تب تک ان میں سے ایک کرسی خالی بھی ہوجائے گی تو تمہارا کام اسٹارٹ کردوں گی۔'' وہ خود شاید آج کام کی زیادتی سے گھبرائی ہوئی تھیں جبھی اسے مشورہ دے کر ہیئر مساج ختم کرانے کے بعد اس لڑکی کو گاؤن پہنایا اور ہیئر واش کرنے کے لیے چیزیں تیار کرنے لگیں۔

''ہاں ہاں جاؤ' میں بھی نہیں بتاؤں گا۔'' گٹو نے بھی کمال سخاوت کا مظاہرہ کیا تو چندا نے ایک نظر پنو کو دیکھا جو شاپر اٹھائے تیار کھڑی تھی پھر ہیڈ فون لگا کر آنکھیں بند کیے لڑکیوں اور سیٹ شاور کھولے کھڑی باجی پر الوداعی نظر ڈال کر بڑی سرعت سے باہر نکلی اور چاٹ کی دکان کے بجائے دائیں طرف موجود مسجد کے بیت الخلاء میں جا گھسی جو نماز کا وقت نہ ہونے کے باعث خالی تھا۔ وہیں پر چندا نے پنو کے ساتھ لائے گئے شاپر میں موجود پشاوری برقعہ اوڑھا' پاؤں سے سینڈل اور پازیب اتار کر ربڑ کے سلیپر پہنے' دوسرے شاپر سے تولیے میں لپٹا ننھا گٹو تکیہ بچے کی طرح سینے سے لگایا اور یوں وہ دونوں پشاوری برقعوں میں ملبوس آنکھوں کی جگہ پر موجود جالی سے یہاں وہاں دیکھتیں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ شارٹ کٹ کے ذریعے صرف چند ہی منٹوں میں سڑک پر پہلے سے اسٹارٹ کھڑی ٹیکسی تک جا پہنچیں جسے انہیں دور سے آتا دیکھ کر ہی جانی اور بولی ریلوے اسٹیشن کی طرف رخ کروا چکے تھے کہ ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں گڈی اور رانی کے ساتھ موجود ناجی کی تسبیح کے دانے بڑی شدت سے بارش کی بوندوں کی طرح متواتر گر رہے تھے۔

❀.....❀.....❀

تیز رفتار ٹرین بھاگتے مناظر کی طرح ان کے ماضی کو بھی پیچھے چھوڑتی جارہی تھی' وہ ماضی جس میں ذلت تھی' رسوائی تھی' ندامت اور پچھتاوے تھے لیکن اب باعزت زندگی گزارنے اور رزق حلال کمانے کا خواب آنکھوں میں سجائے وہ سب ایک نئی منزل کی طرف گامزن تھے جہاں بھرپور اور رفاقتوں کے حسین موسم میں ایک خوشگوار زندگی بانہیں وا کیے ان کی منتظر تھی۔ جہاں سرخ گلاب اپنی خوشبو بکھیرنے کو بے تاب تھے تو ہوا اس خوشبو کو اپنے نرم سے آنچل میں سمونے کو بے قرار۔

پنو اور چندا ابھی تک انہی پشاوری برقعوں میں ملبوس تھیں اور ناجی ان پر یاد کی گئی چھوٹی چھوٹی آیات پڑھ کر پھونکتی جارہی تھی گو کہ وہ سب اب خوف کی فضا سے نکل چکے تھے لیکن احتیاط بہرحال لازم تھی۔ زندگی کو نئے ڈھنگ سے گزارنے کا عہد کیے وہ سب ہی اب زندگی کے اس نئے دور میں داخل ہورہے تھے جہاں انہیں اپنے ماضی کو ایک برا خواب سمجھ کر بھولنا تھا' ایسا برا خواب جو شیطان کی طرف سے تھا اب رحمٰن کا ساتھ حاصل ہونے پر ختم ہوچکا تھا۔

بے شک توبہ کے لیے اس ستارالعیوب کا در ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے اور اس کی رحمت بیکراں ہماری فریادوں میں جذبے' خلوص اور شدت کی کمی کے باوجود صرف اور صرف سچے دل سے توبہ کرنے کے عوض تمام گناہوں پر نہ صرف پردہ ڈالتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی بخشش کا گراں قدر تحفہ بھی عطا کرتی ہے۔

اور ناجی نے بھی تو صرف توبہ ہی کی تھی ناں' سچے دل کے ساتھ...... جس کے قبولیت کے بعد اس پر منکشف ہونے والے آ گہی کے باب نے زیست کے ایک لمحے کے طفیل نہ صرف اس کی بلکہ اس سے جڑے سب رشتوں کی زندگی ہی بدل ڈالی تھی۔

(ختم شد)

❀